دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مطبوعاتِ مؤتمر المصنّفین

کتاب		مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ مجلد ترتیب و تحشیہ : مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعواتِ حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ مرتبہ : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت مرتبہ : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت مرتبہ : مولانا سمیع الحق	″	″ ″	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہلِ حق (مجلد) ضبط و ترتیب مولانا عبدالقیوم حقانی	″	″ ″	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصرِ حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیرِ اخلاق	″	″ ″	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروانِ آخرت (مجلد)	″	″ ″	۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ (خصوصی نمبر)	″	″ ″		
۱۱۔ قادیانیت اور ملتِ اسلامیہ کا موقف	″	″ ″	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک	″	″ ″	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی اور ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	″	″ ″	—	—
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	″	″ ″	—	—
۱۵۔ روسی الحاد	″	″ ″	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاعِ امام ابوحنیفہؒ (مجلد)	″	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات (مجلد)	″	″ ″	۲۶۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماءِ احناف کے حیرت انگیز واقعات (مجلد) امام ابویوسفؒ ۔ امام محمدؒ جلد دوم	″	″ ″	۲۶۲	۵۶ روپے

کتاب		مصنف	صفحات	قیمت
۱۹۔ اربابِ علم و کمال اور پیشہ رزقِ حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریۂ انقلاب و سیاست	″	″ ″	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطباتِ حقانی (جلد اول)	″	″ ″	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوینِ حدیث	″	″ ″	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہدِ حاضر کا چیلنج اور امتِ مسلمہ کے فرائض (مجلد)	″	″ ″	—	—
۲۴۔ مردِ مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	″	″ ″	۳۲	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	″	″ ″	—	—
۲۶۔ د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	″	″ ″	—	—
۲۷۔ کشکولِ معرفت	″	″ ″	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علی مشکلات الطحاوی	″	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	″	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	—	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	″	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	—	—
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشاداتِ حکیم الاسلامؒ	″	مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	″	″ ″	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاعِ ابوہریرہؓ	″	″ ″	—	—
۳۶۔ افاداتِ حلیم	″	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیاتِ صدر المدرسین (مولانا عبدالحلیم زروبویؒ)	″	″ ″	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائلِ جمعہ	″	مولانا امین الحق گستوی حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمّل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنّفین ○ دارالعلوم حقّانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد ـــــ ۲۹
شمارہ ـــــ ۱
جمادی الاوّل ـ ۱۴۱۴ھ
اکتوبر ـ ۱۹۹۳ء

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۴۳۵ / ۴۴۰/
کوڈ نمبر ـ ۰۵۲۴۹

بیاد
حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ
مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی

مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ناظم ـ شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۸۰/- روپے فی پرچہ ۸/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۱۲/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۶/۷۰ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

- خاتون کی حکمرانی اور مولانا سمیع الحق کا اظہارِ حق
- نئی حکومت، تاریک ماضی سے اجتناب اور روشن مستقبل کا لائحہ عمل ۔

۱۵ر اکتوبر کو وزیر اعظم بے نظیر بھٹو، اسلام آباد میں متحدہ دینی محاذ کے سربراہ مولانا سمیع الحق کی اقامت گاہ پر حاضر ہوئیں ظاہر ہے کہ وہ جو تھے روز وزیر اعظم بننے والی تھیں ملک کی سیاسی صورت حال، دین اسلام کی وسعت و جامعیت اور اس کے بطور نظام کے ہمہ گیری و آفاقیت کے اعتراف سمیت، ملک میں نفاذِ شریعت، اسلامی سزاؤں کے بارے میں ان کے سابقہ نازیبا اور باغیانہ ریمارکس عورت کی حکمرانی پر دو ٹوک شرعی موقف اور مستقبل میں ان سے ممکنہ کردار کے موضوع پر باہمی تبادلہ خیال ہوا ایسے مواقع پر علماء حق کا کردار کیا ہونا چاہیئے موقفِ حقہ کے اظہار میں کسی لومۃ لائم اور طعن و تشنیع کی پرواہ کیے بغیر غلاالگتی کہنا ہی دینی قوتوں اور قرآن و سنت سلف صالحین اور علماء حق کا شیوہ ہے اس موقع پر مولانا سمیع الحق نے اُن سے جو کہا اس میں ماضی کی فاش کوتاہیوں، اللہ و رسولؐ کے احکام سے استہزاء و بغاوت کی مذمت اور مستقبل میں توبہ و ندامت اور روشن مستقبل کی ضمانت کے لائحہ عمل کی واشگاف الفاظ میں نشاندھی کر دی گئی ہے لہذا وہی گفتگو نوائے وقت اور جنگ (راولپنڈی ۱۶ر اکتوبر) کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

اسلام آباد (سلطان سکندر سے) پاکستان پیپلز پارٹی کی شریک چیئر پرسن بے نظیر بھٹو نے جمعہ کو سہ پہر یہاں متحدہ دینی محاذ کے سربراہ اور جمعیت علماء اسلام کے سیکرٹری جنرل سینیٹر مولانا سمیع الحق سے ان کی اقامت گاہ پر ملاقات کی اور عورت کی حکمرانی اور اسلامی تعلیمات کے حوالے سے ایک گھنٹہ تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ سابق گورنر سندھ محمود ہارون، فاروق لغاری، آصف زرداری، مولانا کوثر نیازی اور ڈاکٹر اشرف عباسی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس موقع پر بے نظیر بھٹو نے اسلام میں عورت کی حکمرانی کے مسئلے کے لیے حل دریافت کیا تو مولانا سمیع الحق نے کہا کہ اسلام کی رو سے عورت حکمران نہیں بن سکتی، بے نظیر بھٹو نے مولانا سے کہا کہ میں آپ سے ووٹ لینے نہیں آئی ہوں۔ ایک دو ووٹوں کی کوئی بات نہیں میں آپ سے کھل کر بات کرنے آئی ہوں میں اسلام کے بارے میں بہت جامع اور گہری نظر رکھتی اور اسلام کو دین رحمت سمجھتی ہوں بنیادی حقوق کا جو تصور اسلام نے دیا وہ کسی اور مذہب میں نہیں خاتون کو طلاق اور وراثت

کے جو حقوق اسلام نے دیئے ہندو ازم اور یہودی ازم میں نہیں ہیں اسلام روشنی کا مذہب ہے جو سارے چیلنجوں کا مقابلہ کر سکتا ہے میرا جذبہ ہے کہ اسلام کی خدمت کروں اور دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر رکھوں کہ اسلام ہی دنیا کو موجودہ بحرانوں اور مشکلات سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس لیے آپ اور دیگر علماء میرے ساتھ تعاون کریں۔ آپ کے والد سے میرے والد کی بڑی عقیدت تھی آپ میرے لیے نئے نہیں ہیں صرف اس جذبے کے اظہار اور دعا لینے کے لیے آئی ہوں اگر مجھے بڑی ذمہ داری اور اور اسلام کی خدمت کرنے کا موقع ملے تو مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ اس موقع پر مولانا سمیع الحق نے کہا کہ آپ نے اسلام کے بارے میں بڑے اچھے خیالات ظاہر کیے ہیں جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے بدقسمتی سے آپ سے منسوب ایسے بیانات اسلام کے حوالے سے آجاتے ہیں جن سے علماء اور لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں کبھی اسلامی حدود و تعزیرات کو وحشیانہ کہنے اور کبھی ملا ازم اور ملائیت کو برداشت نہ کرنے کے بارے میں خبریں آتی ہیں حالانکہ اسلام میں ملائیت اور ملا ازم نہیں ہے نہ ہی تھیوکریسی کا تصور ہے میں خود تھیوکریسی پر لعنت بھیجتا ہوں ملا تو اس کا نام ہے جو اسلام کے بارے میں وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو جس کا آپ نے اظہار کیا ہے۔ ان تاثرات کی روشنی میں تو خود آپ ایک بڑی "ملا" ثابت ہو گئیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں نیو ورلڈ آرڈر کا سامنا ہے۔ پاکستان پر عالم اسلام کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ ہمیں ان سارے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا اور دنیا کو یہ بتانا ہے کہ یہ بنیاد پرستی، دہشت گردی اور دقیانوسی دین نہیں ہے۔ مولانا سمیع الحق نے کہا کہ نواز شریف کو خدا نے چانس دیا تھا ہم چاہتے تھے کہ یہاں ایسی قیادت وجود میں آئے جو وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں، کشمیر اور افغانستان کے لیے ایک سہارا بن سکے مگر بدقسمتی سے نواز شریف نے یہ موقع کھو دیا اللہ تعالیٰ جب موقع دیتا ہے تو ناشکری کی بہت بڑی سزا بھی ملتی ہے۔ انہوں نے تعاون کے بارے میں کہا ہمارے لیے مصیبت یہی ہے ہم پر اللہ نے ایک نظریہ، اصول اور اسلامی تعلیمات کا ترجمان بننے کی ذمہ داری ڈالی ہے اور خوش قسمتی سے دینی قوتیں، علماء و مشائخ مجھے دینی سیاست کے حوالے سے پہچانتی ہیں ہم سیاست میں ان حدود کے پابند ہیں چونکہ ہماری سیاست اس حوالے سے ہے اگر میرے منصب پر آپ ہوتیں اور آپ کو دین کا ترجمان سمجھا جاتا تو مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس اصول کے دائرے میں رہنے کی پابند ہوتیں۔ بے نظیر بھٹو نے عورت کی حکمرانی کے مسئلے کے حل کے بارے میں استفسار کیا تو مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ مولانا سمیع الحق بڑے پروگریسو ہیں ایسی کوئی بات نہیں اس مسئلے کا حل ہوگا ہندوستان میں علماء نے اندرا گاندھی اور پاکستان میں علماء نے محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی اس موقع پر مولانا

مولانا سمیع الحق نے کہا کہ میں اپنی ذات کی حد تک پروگریسو ہوں تو اسلامی تعلیمات کی حد تک اتنا ہی سخت ہوں۔ ہندوستان سیکولر ریاست ہے جہاں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہ ہو وہاں عورت اور مرد کا کیا مسئلہ ہوگا۔ جے یو آئی نے فاطمہ جناح کی حمایت نہیں کی بلکہ اپنا الگ مؤقف اختیار کیا تھا۔ جب اللہ اور رسولؐ کے واضح احکام موجود ہوں وہاں ہمارے لیے مشکلات ہوتی ہیں آپ کی ذات کی حد تک بڑا احترام اور آپ کی ہمت اور حوصلہ اپنی جگہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ جہاں اسلام کی خدمت کے لئے تعاون کی ضرورت ہو ہم نے کسی موقع پر تردد نہیں کیا اگر آپ کو موقع ملتا ہے اور آپ واقعی اسلام کی خدمت کرتی اور مشورہ مانگتی ہیں تو میں حاضر ہوں اسی بنیاد پر ہم نے ضیاء الحق کو اسلامی قوانین کی تدوین میں مشورے دیئے مولانا نے کہا آپ کی خیر خواہی اور بھلائی کے جذبے سے کہتا ہوں کہ آپ کے اب تک اسلام کے بارے میں جن تاثرات، بیانات اور منشور کے حوالے سے جو باتیں سامنے آئی ہیں ان کا مکمل ازالہ کریں۔ اسلام کی کھل کر ترجمانی کریں اور اسلام کے بارے میں منفی پراپیگنڈہ کرنے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں کہ اسلامی سزائیں صرف ڈرانے کے لیے ہیں دو چار تھپڑوں سے اصلاح ہوتی ہے موجودہ انگریزی ظالمانہ نظام میں ایک تو نہ چرس، ہیروئن رکھنے پر ملزم کو دو تین سال حوالاتوں میں رگڑا جاتا ہے اور اس کے بیوی بچے بے روزگاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق نے کہا کہ عورت کی حکمرانی کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے یہ آپ کی ذات کا مسئلہ نہیں اگر خاتون مفتی محمود، مولانا عبدالحق یا میری بیٹی ہو اس کے بارے میں بھی موقف اور مسئلہ بہرحال یہی رہے گا کہ عورت حکمران نہیں بن سکتی قوم جیسا بھی فیصلہ کرے ہم مسئلے سمجھانے کے پابند ہیں۔

ماہنامہ الحق بحمداللہ اس تازہ شمارے سے اپنی زندگی کے انتیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے، آغاز کار ہی سے بے سرو سامانی حالات کی ناموافقت، وسائل کی قلت اور قدم قدم پر مشکلات کے باوجود، خاص خداوند لم یزل کے فضل و احسان، اور اپنے مخلص قارئین کی مخلصانہ دعاؤں و تعاون، ملک و بیرون ملک کے اکابر و مشائخ اور زعماء ملت اور اہل علم کی سرپرستیوں کے صدقے اللہ نے لاج رکھی اور پرچہ چلتا رہا۔ بحمداللہ اپنے اہداف اور مقاصد میں کامیاب رہا، جس پر ہم اپنے عظیم و برتر خداوند قدوس کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور اپنے مخلص قارئین کے لیے بھی ممنون، شکر گزار اور دعا گو ہیں اللہ کریم سب کو اپنے اپنے تعاون، وابستگی اور تعلق خاطر پر اجر عظیم عطا فرمائے اگر یہ سرپرستیاں اور خصوصی نظر عنایت رہی تو پرچے کو مزید استحکام اور دوام حاصل ہوگا۔ واجرھم علی اللہ (عبدالقیوم حقانی)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عورت کا مقام حقوق و فرائض اور دائرہ کار

(کلامِ اقبال کی روشنی میں)

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی و اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں، جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لیے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیا، اور احساسِ عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا۔

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں — پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

انہیں ہنروران ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کرکے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں۔

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند — کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس … آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ "دختران ملت" سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لیے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیئے۔

بہل اے دخترک این دلبری ہا … مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرور … بیاموز از نگہ غارتگری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے۔

ضمیر عصر حاضر بے نقاب ست … کشادش در نمود رنگ و آب ست
جہاں تابی ز نور حق بیاموز … کہ او با صد تجلی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امین ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا۔

جہاں را محکمی از امہات ست … نہاد شاں امین ممکنات ست
اگر ایں نکتہ را قومے نداند … نظام کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔

مرا داد ایں خرد پرور جنونے … نگاہ مادر پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن … کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے۔

خنک آں ملتے کز وارداتش … قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را … تواں دید از جبین امہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں، اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں۔ جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن ولہجہ کے سوز وساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا ۔

زشام ما بروں آور سحر را بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے اور اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے، اس لیے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے، انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب، شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنا ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے۔ اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی۔ ؎

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف وامتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے ..... جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں تو ان کا نظام ناپائدار اور بے اساس ہوتا ہے، اور خاندانی امن وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں، ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لیے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے ۔

وہ آزادئ نسواں کی تحریک کے ..... اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے، اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی، اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا۔ ماں کی ممتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی، اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں، بلکہ موت ہے اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسۂ زن　　ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

علم او بار امومت برنتافت　　بر سرِ شاخش یکے اختر نتافت
این گل از بستانِ ما نارستہ بہ　　داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادئ نسواں ہو یا آزادئ رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے، بلکہ مرد و زن کا ربط باہمی، ایثار، اور تعاون ایک دوسرے کے لیے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے، ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہوجائے گی۔ اور بالآخر یہ نوع انسانی کا نقصان ہوگا۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند　　کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیاست　　فطرت او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند،　　جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی　　از تب و تابش ثباتِ زندگی
اوجِ ما از ارجمندی ہائے او　　باہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے، جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں، اور دنیا کا کوئی انسان نہیں، جو اس کا ممنون احسان نہیں ہے

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ　　اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اسکی　　کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں،
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن　　اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں!

آزادئ نسواں کی تحریک سے مرد و زن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے، "مرد فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں۔

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا　　مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں　　گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پروین
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور　　کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ہندو یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہِ عالم کو چلا رہا ہے، اس کی ذات گو حجاب قدس میں ہے، لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں، مولانا آسی نے خوب کہا ہے:

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ، صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ:

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلّی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے، لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لیے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت، اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو۔

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے وہ خلوت نشیں ہے یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے، گھر کے پرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں، اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لیے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر وحرم میں بھی میسّر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالادستی (UPPER HAND) کسے حاصل ہو اس لیے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے، اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شئے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے، اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے، خصوصاً" مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے، اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دے دی جاتی، اقبال نے مغرب کے نام نہاد "آزادیٔ نسواں" کی پرواکیے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا۔

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور	کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی!	نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا	اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم ولوا علیہم امرأة" کی ترجمانی ہے، انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا۔

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر	غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتۂ شوق	آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات	گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت	نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال اپنے کلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بلند ارشادات بھی لاتے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ "حبب الیّ من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة" (مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئی ہیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت" ماؤں کے قدموں تلے ہے، انہوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لیے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے۔

آں یکے شمع شبستانِ حرم | حافظ جمعیتِ خیر الامم
سیرتِ فرزند ہا از امہات | جوہر صدق و صفا از امہات
آنکہ ناز و بر وجودش کائنات | ذکر او فرمود باطیب و صلوٰۃ
گفت آں مقصودِ حرف کن فکاں | زیر پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت ست | زانکہ او را با نبوت نسبت ست
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است | سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما | در خط سیمائے او تقدیر ما
آب بند نخل جمعیت توئے | حافظ سرمایۂ ملت توئی
ہوشیار از دست بردِ روزگار | گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لیے مثالی خاتون سمجھتے ہیں، اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں، کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں شکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں، اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنین رضؓ ان کی آغوش سے نکلے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ | مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیا گرداں و لب قرآں سرا
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند | چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ بلند
تا حسینےؓ شاخِ تو بار آورد | موسم پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ۔

اگر پندے ز درویشے پذیری | ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر | کہ در آغوش شبیرؓے بگیری!

مولانا ظفر احمد اعظمی (ایم اے، فاضل دیوبند)

علوم قرآن منزل بہ منزل

علوم قرآن سے مراد وہ تمام علوم ہیں جن کا تعلق قرآن کریم سے ہے جیسے علم تفسیر علم قرأت، اسباب نزول و شانِ نزول کی معرفت، ناسخ و منسوخ کا علم، مکی و مدنی سورتیں، نزولِ قرآن میں سورتوں و آیتوں کی ترتیب، جمع قرآن اور اس کی کتابت اعجازِ قرآن وغیرہ وغیرہ امور موجودہ زمانہ میں مستشرقین کے اعتراضات جو وحی اور قرآن پر ہیں ان کے جوابات، یہ سب بھی علوم قرآن کے اندر داخل ہوں گے، اس طرح علوم قرآن کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا۔

لیکن یہ علم کب وجود میں آیا اور کن مراحل سے گذرتا ہوا ہم تک پہنچا اس کو جاننے کے لیے نزولِ قرآن کے وقت سے اب تک کے تمام ادوار کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس پورے زمانے کو پہلے ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں (۱) دورِ تمہید (۲) دور تدوین اور اس کے مختلف مراحل۔

دورِ تمہید قرآن کریم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جمع کرنے اور بیان کرنے کی ذمہ داری لے لی گئی۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (قیامہ پ ۲۹)	بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا، تو جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے، پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

صحابۂ کرام صحیح عربیت کا ذوق رکھنے کی وجہ سے قرآن کے مطلب، اوامر و نواہی کو اچھی طرح سمجھتے تھے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آیت کا شان نزول کیا ہے اور کس واقعہ پر قرآن کی کون سی آیت نازل ہوئی، انہیں جب کسی آیت کے سمجھنے میں دشواری ہوتی تو وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے اور آپ سے اس کی تفسیر معلوم کرتے چنانچہ جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون (انعام پ ۷)	جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا، ایسوں ہی کے لیے تو امن ہے

تو صحابۂ کرام رضؓ کو تشویش ہوئی اور کہا ایما نهم یظلم نفسه ہم میں کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہیں کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم سے مراد شرک باللہ ہے، چنانچہ قرآن کی دوسری آیت میں ہے اِنَّ الشرکَ لظلمٌ عظیمٌ بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اس طرح عہد رسالت اور عہد صحابہ میں علوم قرآن کی تدوین کی کوئی حاجت نہیں تھی، پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت ناخواندہ تھی، کہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور ان کے علم کا سارا دارو مدار قوت حافظہ پر تھا، نیز یہ بات بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں کے لکھنے سے منع کر دیا تھا کہ مبادا قرآن کے ساتھ کسی دوسری چیز کا اختلاط ہو جائے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده فی النار۔ میری طرف سے قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں کو مت لکھو جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے تو اس کو مٹا دے، میری طرف سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے قصداً میری طرف سے جھوٹ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

اس طرح عہد رسالت میں علوم قرآن کا دارو مدار ایک دوسرے سے تلقی اور سماع پر رہا، ابتدائی تدوین قرآن عہد صدیقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ہوا، پھر جب حضرت عثمان رضؓ کے زمانۂ خلافت میں عرب عجم کا اختلاط زیادہ ہوا تو انہوں نے اسی مصحف صدیقی کی مختلف نقلیں کرا کے مختلف ملکوں کو روانہ کر دیں، اور یہ حکم بھی جاری فرما دیا کہ اس کے علاوہ جو قرآن کے نسخے ہوں انہیں جلا دیا جائے، مبادا امت میں اس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو، یہ حضرت عثمان رضؓ کی فراست ایمانی تھی جو کہ انہوں نے یہ حکم دیا۔

ہمارے موضوع سے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابت کے سلسلے میں بعض بنیادی چیزیں بتائیں، جنہیں بعد میں چل کر علم رسم قرآن یا علم رسم عثمانی کے نام سے موسوم کیا گیا، اسی طرح پر حضرت عثمان رضؓ کو علم رسم قرآن کا مؤسس یا واضع کہا جا سکتا ہے، نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابو الاسود الدولی (متوفی سنہ ۶۹ھ) کو عربی زبان کی سلامت و صحت کے لیے بعض قواعد کو مرتب کرنے کو کہا تو اس بنا پر حضرت علی رضؓ کو علم اعراب قرآن کا مؤسس کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ علوم قرآن کے واضعین اور مؤسسین میں مندرجہ ذیل حضرات ہیں۔

(۱) خلفائے اربعہ، ابن عباس رضؓ، ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، صحابۂ کرام میں سے۔

(۲) مجاہد، عطاء بن یسار، عکرمہ، قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، اور زید بن اسلم رحمہم اللہ یہ سب تابعین میں سے ہیں۔
(۳) اور تبع تابعین میں سے حضرت مالک بن انسؒ کو کہا جا سکتا ہے، جنہوں نے حضرت زید بن اسلم سے یہ علم حاصل کیا۔

یہ تمام حضرات ان علوم کے بانی اور مؤسس ہیں جنہیں اب ہم علم تفسیر، علم اسباب نزول، علم مکی و مدنی، علم ناسخ و منسوخ، علم غریب القرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں، یا مجموعی طور پر علوم قرآن کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۲۔ دور تدوین

دور تدوین کو ہم نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور دوسری صدی ہجری پر ختم ہوتا ہے اس دور میں علم تفسیر کے علاوہ دوسرے علوم قرآن شروع نہیں ہوئے تھے۔ دوسرا دور، تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے، جب تفسیر کے علاوہ دوسرے علوم قرآن کی بھی تدوین شروع ہوئی، یہ دور آٹھویں صدی ہجری پر ختم ہوتا ہے، اس میں ہر صدی کی مشہور کتابوں کا ذکر ہے جو اس موضوع پر لکھی گئیں۔ تیسرا دور، آٹھویں صدی ہجری سے شروع ہو کر نویں صدی ہجری پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں علوم قرآن میں بہت سے جدید علوم داخل ہوئے جیسے امثال القرآن اور جدل القرآن وغیرہ۔ چوتھا دور: دسویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور موجودہ زمانہ کو بھی شامل ہے، یہ دور اخیر ہے۔

الف: پہلا دور

جب علوم کی تدوین کا دور شروع ہوا تو سب سے پہلے علم تفسیر کو مدوّن کیا گیا کہ وہ تمام علوم قرآنیہ کی اصل اور بنیاد ہے، دوسری صدی ہجری کے جن علماء کرام نے اس فن کی طرف توجہ کی اور اس میں کتابیں تصنیف کیں، ان میں سرفہرست شعبہ بن الحجاج، محدث بصرہ، سفیان عیینہ جو اہل حجاز کے تفسیر و حدیث میں امام کہلاتے ہیں، اور وکیل بن الجراح جو عبداللہ بن المبارکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں، ان حضرات نے علم تفسیر سے شغل رکھا، ان کی تفسیرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال و آراء کی جامع ہیں، پھر انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر لکھی، جس میں احادیث صحیحہ، اعراب، استنباط مسائل کا ذکر کیا وہ نہج جس کو ابن جریر طبری اور اس سے پہلے کے مفسرین نے اختیار کیا یعنی صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال و آراء اکتفا کیا تفسیر کے اس طرز کو تفسیر بالماثور کہا جاتا ہے، اسی دور میں تفسیر کا دوسرا نہج بھی شروع ہوا جس کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے، پھر قرآن کی مختلف تفسیریں لکھی گئیں، کسی نے مکمل قرآن کی تفسیر لکھی، کسی نے ایک جز ایک سورہ کی اور کسی نے خاص خاص آیتوں کی مثلاً تفسیر آیات الاحکام جس کو تفسیر موضوعی بھی کہا جاتا ہے۔

ب: دوسرا دور

اس دور میں تفسیر کے علاوہ دوسرے علوم قرآن کی تصنیف و تالیف ہوئی اور علماء کرام نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی۔

(۱) چنانچہ تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی جو امام بخاری کے شیخ ہیں انہوں نے اسباب نزول پر اور ابو عبید القاسم بن سلام نے ناسخ و منسوخ اور قرأت و فضائل قرآن پر لکھا اور محمد بن ایوب الضریس (۲۹۴ھ) نے مکی و مدنی سورتوں کے بارے میں لکھا، اور محمد بن خلف بن المرزبان (۳۰۹ھ) نے اپنی کتاب الحاوی فی علوم القرآن تصنیف کی، ابن ندیم نے الفہرست میں اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ ۲۷ اجزاء پر مشتمل ہے۔

واضح رہے کہ قرآن کے متعلق سارے علوم کے لیے "علوم القرآن" کا لفظ بطور اصطلاح کے سب سے پہلے محمد بن خلف بن المرزبان نے اپنی کتاب، الحاوی فی علوم القرآن میں استعمال کیا ہے۔

(۲) چوتھی صدی ہجری میں ابوبکر محمد بن القاسم الانباری (۳۲۸ھ) نے "عجائب علوم القرآن" تالیف کی جس میں فضائل قرآن، قرآن کا سات حرفوں پر نزول، مصاحف کی کتابت سورتوں اور آیتوں کی تعداد نیز کلمات قرآنی کی تعداد پر بحث لکھی، ابوالحسن اشعری نے ایک عمدہ کتاب المختزن فی علوم القرآن کے نام سے لکھی، ابوبکر السجستانی نے فی غریب القرآن اور ابو محمد القصاب محمد بن علی الکرخی نے نکت القرآن الدالة علی البیان فی انواع العلوم والاحکام المنبئة عن اختلاف الانام۔ لکھی اور محمد بن علی الادفوی (۳۸۸ھ) نے الاستغنا ریا الاستغناء فی علوم القرآن" بیس جلدوں میں لکھی۔

(۳) پانچویں صدی ہجری میں علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی نے البرھان فی علوم القرآن" اور اعراب القرآن" دو کتابیں تصنیف کی ہیں، ابو عمر الدانی (۴۴۴ھ) نے التیسیر فی القراءات السبع،، اور المحکم فی النقط لکھی۔

(۴) چھٹی صدی ہجری میں ابوالقاسم عبدالرحمن جو السہیلی کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے ایک کتاب" مبہمات القرآن،، لکھی، حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب کشف الظنون میں اس کا نام التعریف والاعلام بما ابھم فی القران من الاسماء والاعلام بتایا ہے، نام سے کتاب کی غرض وغایت بھی معلوم ہو جاتی ہے، علامہ ابن الجوزی نے بھی دو کتابیں فنون الافنان فی عجائب القرآن، اور المجتبیٰ فی علوم متعلق بالقرآن لکھیں۔

(۵) ساتویں صدی ہجری میں ابن عبدالسلام المعز (۶۶۰ھ) نے مجاز القرآن کے متعلق ایک کتاب لکھی اور علم الدین سخاوی (۶۴۳ھ) نے جمال القراء و کمال الاقراء، ابو شامہ (۶۶۵ھ) نے المرشد الوجیز فیما یتعلق بالقران العزیز لکھی۔

(ج) تیسرا دور

اس دور میں سابقہ علوم قرآن کے ساتھ ساتھ علوم قرآن سے متعلق کچھ نئے گوشے رونما ہوئے جیسے بدائع القرآن، حج القرآن، اقسام القرآن اور امثال القرآن وغیرہ بدیع کے جو انواع قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں اس موضوع پر ابن ابی الاصبع نے ایک مستقل کتاب لکھی۔ حجج القرآن یا علم جدل القرآن یعنی قرآن میں براہین اور ادلہ کے جو انواع مذکور ہیں اس موضوع پر نجم الدین طوفی (۷۱۶ھ) نے ایک کتاب لکھی۔ اقسام القرآن پر متقدمین علماء میں سے ابن القیم نے اور متاخرین علماء میں سے مولانا حمید الدین فراہی نے اپنی کتاب امعان فی اقسام

القرآن لکھی، امثال القرآن کی بہت سی مثالیں الاتقان فی علوم القرآن جو علامہ سیوطی کی ہے اس کی ۶۸ ویں نوع میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں بدرالدین زرکشی (۷۹۴ھ) نے البرھان فی علوم القرآن لکھی جو استاذ محمد ابو الفضل ابراہیم کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع ہوئی۔

نویں صدی ہجری میں جلال الدین البلقینی نے مواقع العلوم فی مواقع النجوم تصنیف کی، پھر جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نے التحبیر فی علوم التفسیر اور الاتقان فی علوم القرآن لکھی، مؤخر الذکر کتاب میں البرہان فی علوم القرآن للزرکشی سے بڑی حد تک مدد لی گئی ہے۔

(د) چوتھا دور نویں صدی ہجری کے بعد سے شروع ہوتا ہے، پھر بہت سے علماء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور مختلف تصنیفات اس موضوع پر دنیا کے سامنے آئیں، کسی نے تاریخ قرآن پر لکھا اور کسی نے علوم القرآن اور متعلقات قرآن پر، شیخ طاہر الجزائری نے البیان لبعض المباحث المتعلقہ بالقرآن، شیخ محمد جمال الدین القاسمی نے محاسن التاویل، شیخ محمد عبدالعظیم زرقانی نے مناہل العرفان فی علوم القرآن، اور شیخ محمد علی سلامہ نے منہج القرآن فی علوم القرآن اور عربی زبان و ادب کے استاذ کبیر مصطفیٰ صادق الرافعی نے اعجاز القرآن اور استاذ سید قطب نے التصویر الفنی فی القرآن، استاذ مالک بن نبی نے الظاہرۃ القرآنیۃ لکھی جس میں مسئلہ وحی پر بہت عمدہ بحث کی ہے۔

علامہ رشید رضا مصری تفسیر القرآن الحکیم جو تفسیر منار کے نام سے جانی جاتی ہے اس میں بھی علوم قرآن پر بہت کچھ مواد موجود ہے، جدید کتابوں میں ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز کی دو کتابیں النباء العظیم اور نظرات جدیدہ فی القرآن محمد الغزالی کی کتاب نظرات فی القرآن اور استاذ محمد المبارک عمید کلیۃ الشریعہ جامعہ دمشق کی کتاب المنہل الخالد، ڈاکٹر مناع القطان کی کتاب مباحث فی علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی الصالح کی کتاب مباحث فی علوم القرآن، شیخ محمد علی الصابونی کی کتاب التبیان فی علوم القرآن قابل ذکر ہیں۔

امت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہونے کی وجہ سے عربی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی اس موضوع پر کتابیں وجود میں آئیں، ہمارے ہندوستانی علماء میں سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب الفوز الکبیر جو اصلاً فارسی زبان میں لکھی گئی ہے وہ علوم قرآن ہی کے موضوع پر ہے، ابھی چند سال ہوئے اس کی عربی زبان میں مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند نے العون الکبیر کے نام سے بہت عمدہ شرح لکھی ہے۔

موجودہ زمانہ میں علوم قرآن کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے، سائنس و ٹکنالوجی کی وجہ سے بہت سی چیزوں کا انکشاف اور مختلف چیزوں کی تسخیر دنیا کے سامنے آئی تو بہت سے لوگوں نے قرآن اور تسخیر کائنات کے

(بقیہ صـ۴۲ پر)

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز

جس طرح سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مسافر کے لئے منزل کا تعین اور راستے کے نشیب وفراز سے آگاہ ہونا اور راہ منزل کے خط وخال اور معالم ونشانات جاننا بھی سہولت وافادیت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح کسی موضوع پر گفتگو کا آغاز کرنے سے قبل اس کی تعریف وتحدید اور اس کے لوازمات وملابسات سے آگاہی بھی بے حد مفید وکار آمد ہوتی ہے ' اس اصول پر ہم بھی کار بند ہوں گے' اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع حدیث نبویؐ کا بلاغی اعجاز ہے' ہمارا یہ موضوع جہاں بے پایاں وسعتوں کا حامل نظر آتا ہے وہاں یہ انتہائی لطافت ونزاکت اور عمق وگہرائی کا حامل ایک فنی یا ٹیکنیکل موضوع بھی ہے' اس لئے ہماری اولین ضرورت یہ ہے کہ اس کی تعریف وتحدید کا مرحلہ طے کر لیا جائے تاکہ اس کی بے پایاں وسعتوں کو سمیٹنا اور فنی لطافتوں اور گہرائیوں کا ادراک آسان ہو سکے۔

اہل علم نے فن اصول حدیث میں واضح کیا ہے کہ حدیث نبویؐ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں ' جو تین اقسام پر مشتمل ہوتے ہیں قولی' فعلی اور تقریری' دوسرے لفظوں میں جو بات آپؐ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی وہ قولی حدیث ہے ۔ آپؐ نے جو عمل فرمایا وہ فعلی حدیث ہے اور اگر آپؐ کی موجودگی میں کوئی کام انجام پایا اور آپ نے اسے استحسان کی نظر سے دیکھا یا سکوت اختیار فرمایا تو یہ تقریری حدیث ہو گی(۱) ۔ ظاہر ہے حدیث کی دوسری اور تیسری قسم ہماری اس گفتگو کے موضوع سے خارج ہے' صرف پہلی قسم یعنی قولی حدیث 'جو صحیح ثابت ہو چکی ہو' زیر بحث لائی جا سکتی ہے۔

تاہم قولی حدیث کو زیر بحث لانے میں بھی چند دشواریاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ قولی حدیث کا بلاشک وشبہ صحیح ثابت ہونا ضروری ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس قولی حدیث کے بلاغی اعجاز سے ہم بحث کر رہے ہیں اس کے الفاظ واقعی بہ تمام وکمال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یقیناً اسی طرح ادا ہوئے جس طرح منقول ہو کر ہم تک

پہنچے ہیں، روایت حدیث کے ضمن میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط کا پہلو سب کو معلوم ہے(۲)۔ ہمارے ان پاکیزہ نفس اسلاف نے قرآن کریم کو محور ومرکز دین کی حیثیت سے پوری حفاظت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے یہ ضروری خیال فرمایا کہ کتاب اللہ جیسی اہمیت و توجہ کسی اور چیز پر نہ دی جائے، اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم کی حفاظت کے ضمن میں ہمارے اسلاف نے احتیاط واہتمام کی جو روش اختیار فرمائی وہ بے نظیر و بے مثال ہے لیکن ارشادات نبویؐ کو حرز جاں بنانے میں بھی اکثر بزرگوں نے کافی اہتمام کیا،چنانچہ جہاں کتاب اللہ کے متعلق حکم ربانی تھا کہ :۔(۳)

" فمن بدلہ بعد ماسمعہ فانمااثمہ علی الذین یبدلونہ" (سوجس نے اسے سننے کے بعد بدل ڈالا تو پھر اس کا گناہ انہی لوگوں کے سر ہوگا جو اسے بدلتے ہیں)۔

وہاں حدیث نبویؐ کے متعلق حذر واحتیاط کو لازم ٹھہرانے اور افترا پردازی کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے بھی خود زبان نبوتؐ سے شدید وعید آئی ہے کہ (۴)

" من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" (جس نے جان بوجھ کر میری طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کی تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنانا چاہئے)

مگر کتاب اللہ کی حفاظت اور حدیث رسولؐ اللہ کی حفاظت میں بڑا فرق ہے، ایک تو یہ ہے کہ آیات کلام اللہ نازل ہوتے ہی ایک طرف تو نبوت کے قلب اطہر پر سنقرئک فلاتنسی (تجھے قرآن ایسا پڑھائیں گے کہ تو اسے بھولے گا ہی نہیں) (۵) کے رنگ میں نقش ہو جاتی تھیں، تو دوسری طرف"فی صدور الذین اوتوا العلم" (ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہو گا جنہیں علم دیا گیا ہے)(۶) کے حکم ربانی کے مطابق حفاظ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں بھی یہ محفوظ ہو جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کاتبان وحی ان آیات بینات کو سپرد قلم فرما دیتے تھے(۷) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ " انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون(۸)" کا تاکیدی عہد ربانی بھی ہے، لیکن حدیث نبوی کے اہتمام کے ضمن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی!

اس سلسلے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ جہاں آیات بینات کی قرائت بالمعنی گستاخی، تحریف اور کفر قرار دی گئی ہے وہاں احادیث کے ضمن میں علماء نے حدیث نبوی کی روایت بالمعنی کی بھی اجازت دی ہے(۹) لہٰذا یہاں حدیث نبوی سے ہماری مراد حضور اکرمؐ کے وہ ارشادات ہیں جو قولی

حدیث کہلاتے ہیں اور مسلم طرق روایت کے مطابق واضح صحت کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔

عنوان کا دوسرا حصہ "بلاغی اعجاز" ہے، اس لئے بلاغت اور اعجاز کا مفہوم بھی واضح طور پر ذہن نشین ہونا چاہئے، اکثم بن سیفی، جو حضور اکرمؐ کا معاصر تھا مگر اعلان نبوت سے قبل ہی فوت ہو گیا تھا، ایک فصیح و بلیغ خطیب تھا اور لوگ اسے حکیم العرب (عربوں کا دانا وعاقل) کہتے تھے، بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے!(۱۰)

"دنو الماخذ وقرع الحجتہ وقليل من كثير" (یعنی لفظ و معنی کا ماخذ آسان اور ذہنوں کے قریب تر ہو، اسلوب دلائل انتہائی موثر و لاجواب ہوں اور بہت سے الفاظ کی محتاج بات کو کم سے کم لفظوں میں بیان کرنا بلاغت ہے)۔

مشہور امام ادب عربی الاصمعی کا قول ہے کہ(۱۱) "البليغ من طبق المفصل واغناک عن المفسر" فصیح وبلیغ وہ شخص ہوتا ہے جو بات کو کھول کر پیش کرے اور کسی تفسیر یا وضاحت سے بے نیاز کر دے)۔

جاحظ نے البیان والتبیین میں مختلف اقوام کے ہاں بلاغت کے مفہوم کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں(۱۲) چنانچہ اہل فارس کے نزدیک "البلاغتہ هی معرفتہ الفصل من الوصل" یعنی فصل اور وصل کے مواقع سے آگاہی کا نام بلاغت ہے، یونانیوں کے نزدیک "تصحیح الاقسام واختيار الكلام" (بیان کی تقسیم درست ہو اور بات جچی تلی ہو) کانام بلاغت ہے، رومیوں کا خیال یہ ہے کہ "حسن الاقتضاب عند البداهتہ والغزارة يوم الاطالتہ" (فی البدیہہ بولنا پڑے تو حسن اختصار سے کام لیتا آتا ہو اور بات کو طول دینے کا موقع ہو تو ذہنی زرخیزی میسر ہو) کانام بلاغت ہے، قدیم اہل ہند کی رائے میں "وضوح الدلالتہ وانتهاز الفرصتہ وحسن الاشارة" (استدلال واضح ہو، موقع شناسی کا ملکہ حاصل ہو اور حسن اشارہ سے کام لیتا آتا ہو) تو بلاغت ہے، مشہور عرب خطیب امام معتزلہ عمرو بن عبید نے بلاغت کی تعریف یوں کی ہے:(۱۳)۔

"تخير اللفظ فی حسن الافهام لتقد ير حجتہ الله فی عقول المكلفين لتخفيف المؤنتہ على المستمعين لتزيين تلک المعانی فی قلوب المريدين بالالفاظ المستحسنتہ فی الاذان، المقبولتہ عند الاذهان رغبتہ فی سرعتہ استجابتهم لنفی الشواغل عن قلوبهم بالموعظتہ الحسنتہ على الكتاب والسنتہ" (یعنی حسن تفہیم کے لئے چنے ہوئے لفظ لانا، مکلف بندوں کی عقلوں میں اللہ

تعالیٰ کی حجت کو راسخ کرنا' سننے والوں کی ذمہ داری کو کم کرنا' ارادت مندوں کے دلوں میں ان معانی کو سجانا' ایسے الفاظ سے جو قوت سامعہ کو بھلے لگیں اور ذہنوں کو قبول ہوں' جن سے کتاب وسنت کی اساس پر موعظہ حسنہ کے ذریعہ انہیں جلد سے جلد آمادہ کرنے اور ان کے دلوں سے مشغول رکھنے والی باتوں کو نابود کرنا مقصود ہو)۔

گویا جس بات کا سرچشمہ دل کی گہرائی ہو' وہ دماغ سے خوبصورتی کے ساتھ ڈھل کر نکلے' زبان سے سنور کر ادا ہو' اور کانوں میں شیرینی اور رس گھولتے ہوئے دلوں میں اتر جائے' وہی بات بلیغ ہے!

اعجاز کے معنی ہیں عاجز کر دینا' بے بس بنا دینا' اسی سے معجزہ مشتق ہے جو عاجز کر دینے والا ہوتا ہے' کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا(۱۴)۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول معجزات سے نوازے جاتے تھے تاکہ ان کے مخاطبین پر یہ بات واضح ہو کہ وہ بشر ہوتے ہوئے بھی عام بشر کی طرح نہیں ہوتے۔ ان کا اللہ رب العزت سے خاص تعلق ہوتا ہے جو عام بشر کو عطا نہیں ہوتا۔ یہی تعلق وحی من اللہ' منصب رسالت ونبوت پر فائز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام حق انسانیت تک پہنچانے سے عبارت ہے (۱۵)۔ لیکن یہ تعلق کوئی معمولی تعلق نہیں ہوتا' اسی لئے اس خصوصی تعلق کے مظہر اور علامت کے طور پر انبیائے کرامؑ کو معجزات عطا ہوئے ہیں لیکن ان سب معجزات کا معجزہ اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے' یہی سب سے اہم' بنیادی اور امتیازی بات ہے' اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل دائمی اور زندہ جاوید معجزہ اسی تعلق سے عبارت ہے یعنی جو وحی ربانی آپ پر نازل ہوئی اسی کا ثمر کتاب اللہ بہ تمام وکمال ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر پیغمبر اسلامؐ کا دائمی معجزہ قرار پائی ہے۔

تو موضوع کے حدود ومعالم کا تعین اس طرح ہوا کہ حدیث نبویؐ کی وہ قسم جسے قولی حدیث کہتے ہیں اس میں سے جو چیز صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے وہ معجزہ ہے اور وہی ہمارا موضوع ہے' اور یہی ارشادات نبویؐ اپنی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہیں۔

موضوع کے تعین کے بعد اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ بلاغت نبوی کس طرح ایک معجزہ ہے' ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضرتؐ کے اخلاق حسنہ اور سیرت طیبہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تھا

کہ کان خلقہ القران (۱۶)۔ یہ قول بھی اعجاز نبویؐ کا ترجمان ہے' گویا قرآن کریم جو نظریاتی تعلیم ہے اس کی عملی تفسیر پیغمبرؐ کی ذات اور آپ کی سنت ہے۔ قرآن کریم کے احکام پر صحیح عمل اور آیات بینات کی عملی تصویر و تفسیر آنحضرتؐ کی ذات ہے۔ اس عملی تصویر اور تفسیر کا ایک پہلو آپ کی فصیح و بلیغ گفتگو کا اقتباسات ' کلمات اور محاورات قرآنی سے مزین ہونا بھی ہے۔ چنانچہ آپ کے کلام معجز نظام میں جو "فما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی" (۱۷) کی ضمانت الٰہی سے مشرف تھا اپنے اندر قرآنی رنگ کی بیشمار اور بکثرت جھلکیاں رکھتا تھا۔ آج تک کسی کا ایسا کلام اور ایسی گفتگو دیکھنے میں نہیں آئی جس میں قرآنی اقتباسات ' کلمات و محاورات اتنی کثرت اور وافر مقدار میں پائے جائیں جس قدر کہ ان سے کلام نبوت مزین ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ بھی فرماتی ہیں(۱۸) کہ "ماکان رسول اللہ یسرد کسردکم ھذا ولکن کان یتکلم بکلام بین فصل یحفظہ من جلس الیہ' وکان رسول اللہ یحدث حدیثالوعدہ العاد لاحصاہ" یعنی رسول اللہ لگاتار تیز تیز نہیں بولے جاتے تھے ۔

جس طرح تم لوگ لگاتار تیز تیز بول کر بات کو خلط ملط کر دیا کرتے ہو' بلکہ آپ تو واضح الگ الگ نکھرے ہوئے انداز میں بات کرتے تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے آپ کی باتوں کو حفظ کر لیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بات کرتے تھے تو اگر کوئی شمار کرنے والا آپ کے حروف والفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

ام المومنین رضی اللہ تعالی کے ان اقوال سے چار ایسی باتیں واضح ہوتی ہیں جو فصحاء و بلغاء کو کم ہی نصیب ہوئی ہیں!

۱۔ آپ کی گفتگو میں کوئی الجھاؤ ' ابہام یا بے اعتدالی نہیں ہوتی تھی۔

۲۔ بلکہ یہ گفتگو نہایت واضح ' الگ الگ نکھرے ہوئے انداز اور عام فہم قسم کی ہوتی تھی۔

۳۔ اس گفتگو کا ذہن نشین کرنا' بلکہ دل میں اتارنا آسان ہوتا تھا اور نبی کی شان بھی یہی ہے کہ اس کی بات ذہن نشین ہو کر دل میں اتر جائے تاکہ اثرات ونتائج کا مظاہرہ ہو۔

۴۔ آپ ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے تاکہ آپ کی گفتگو سے سب کو فائدہ ہو اور ہر خاص وعام اس سے مستفیض ہو سکے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ قریش کے وصاف الحلیہ مشہور تھے' عربوں کے قدیم فنون ومعارف

میں سے قیافہ اور فراست کی طرح وصف حلیہ بھی ایک کمال کا فن متصور ہوتا تھا۔ جس طرح آج کوئی وصف نگار کسی چیز یا شخصیت کی قلمی تصویر (پین پکچر) پیش کرنے میں مہارت کے باعث ہنر مند وصاحب کمال متصور ہوتا ہے اسی طرح قدیم عرب کے وصاف الحلیہ کسی چیز یا شخصیت کی لفظی تصویر پیش کر کے ہنر مند اور صاحب کمال تسلیم کئے جاتے تھے(۱۹)۔ پھر یہ لفظی تصویر انسانوں کے حافظہ میں منتقل ہوتی رہتی تھی اور سننے والے اس چیز یا شخصیت کو اپنے سامنے اسی طرح مجسم پاتے تھے جس طرح آج کوئی مصور یا کیمرہ والا کسی چیز یا شخصیت کو ہمارے سامنے ہو بہو محفوظ کر کے پیش کر دیتا ہے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ بھی اس فن میں کامل بلکہ یکتائے روزگار تھے اور قریش کے ہاں مسلم ومشہور وصاف الحلیہ تھے(۲۰)۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ان سے یہ لفظی تصویر یا قلمی سراپا سننا چاہتے تھے تاکہ یہ سراپا اور یہ تصویر لفظی ان کے حافظہ میں ہمیشہ کے لئے یوں محفوظ ہو جائے جس طرح فریم میں تصویر لگا کر محفوظ کروی جاتی ہے۔ حضرت ہند نے آپ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے جو لفظی تصویر پیش کی ہے وہ کسی عام آدمی یا معمولی بشری شخصیت کا سراپا نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک مافوق البشر کا سراپا لگتا ہے جس کے اعضاء و جوارح بڑے اہتمام سے کسی خاص مقصد کے لئے تخلیق فرمائے گئے ہوں' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جو اخلاقی تصویر پیش کی ہے اگر وہ معجزہ اخلاق ہے تو حضرت ہند کا یہ بیان کردہ لفظی سراپا معجزہ تخلیق متحقق ہوتا ہے۔ اس طرح آپ خلق وخلقت دونوں لحاظ سے اپنے خالق ومرسل کا اعجاز ہیں اس لئے "فاق النبیین خلقا" خلقا"" والی شاعرانہ ترکیب لفظی حقیقت کی ترجمان ہے(۲۱)۔ لیکن یہاں پر اس تصویر لفظی کا صرف وہی حصہ سامنے رکھنا مقصود ہے جس کا تعلق آپ کے نطق وکلام اور فصاحت وبلاغت سے ہے' وہ فرماتے ہیں(۲۲)!

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وبیشتر غموں سے درد مند اور غور وفکر میں محو رہتے تھے۔ آپ آرام وراحت سے کم آشنا تھے بلا ضرورت کبھی نہیں بولتے تھے' زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ گفتگو کرتے ہوئے پورا منہ کھولتے تھے' آپ کے کلام کے الفاظ جامع ومختصر ہوتے تھے' جب بولتے واضح انداز میں کسی کمی یا فالتو الفاظ کے بغیر بولتے۔ نرم مزاج و خوش اخلاق تھے' آپ نہ تو تندخو و درشت طبع تھے اور نہ عاجز وکمزور۔ ہمیشہ پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے' تعجب ہوتا تو اپنا

ہاتھ الٹ دیتے۔ بات کرتے تو اپنے ہاتھوں کو قریب کرکے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مار دیتے۔ خفگی یا ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر منہ موڑ لیتے، خوشی میں نگاہیں جھکا لیتے۔ آپ کی پوری ہنسی صرف مسکراہٹ ہی ہوتی تھی، جب مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت یوں چمکتے دکھائی دیتے جیسے بادل میں سے ٹھنڈے ٹھنڈے چمکتے ہوئے اولے دکھائی دے رہے ہوں!"

یہ لفظی تصویر کسی غیر معمولی بلکہ مافوق البشر شخصیت کی تصویر ہے، گفتگو کے یہ انداز اور لب ولہجے کے یہ اطوار کسی سحر انگیز کشش اور جاذبیت کے ترجمان ہیں جو دیکھنے سننے والوں کو اپنی طرف کھینچتی اور دلوں پر غالب آتی دکھائی دیتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سفر ہجرت کے دوران میں عرب کی ایک خانہ بدوش صحرائی خاتون کو داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا، اور جو تاریخ میں ام معبد کے نام سے زندہ جاوید ہوگئیں۔ وہ جب اپنے اس عظیم الشرف اور جلیل القدر مہمان کا سراپا بیان کرتی تھیں تو ایک فصیح وبلیغ بدوی خاتون کے انداز میں آپ کے طرز تکلم وگویائی کے متعلق فرمایا کرتی تھیں (۲۳)! حلوالمنطق فصل لانزرولا هذر كان منطقه خرزات نظمن ، وكان جهر الصوت حسن النغمة" یعنی آپ شیریں گفتار تھے، بات نہایت واضح ہوتی، وہ نہ قلیل الکلام تھے نہ فضول الکلام، آپ کا کلام معجز نظام تو موتی تھے جو لڑی میں پرو دیے گئے ہوں، بلند اور گرجدار آواز تھی مگر خوبصورت نغمگی میں ڈوبی ہوئی۔"

سیرت طیبہ پر قلم اٹھانے والے قدیم وجدید اہل علم ودانش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت کے معجزانہ اسلوب پر گفتگو فرمائی ہے۔ ان بزرگوں میں سے ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ، امام ابوالحسن الماوردی، حجتہ الاسلام امام ابو حامد الغزالی، قاضی عیاض الیحصبی، عطیہ ابراشی اور مصطفیٰ صادق الرافعی کی باتیں بڑی خوبصورت ہیں اور خصوصی توجہ کی دعوت دیتی ہیں، مگر یہاں ہم اختصار کے پیش نظر صرف تین اقتباسات پر اکتفا کریں گے، ابو عثمان لکھتا ہے(۲۴)!

" آپ کا کلام معجز نظام ایسا تھا کہ جس کے حروف کی تعداد کم مگر معانی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی۔ یہ تصنع وآورد سے بالکل پاک اور تکلف سے منزہ و بالاتر ہوتا تھا۔ تفصیل کے موقع پر تفصیل اور اجمال کے موقع پر اجمال ہی ہوتا تھا۔ آپ کی گفتگو بے قاعدہ، نامانوس اور وحشی الفاظ سے خالی اور عامیانہ الفاظ سے پاک ہوتی تھی۔ کلمات تھے جو سرمایہ حکمت سے لبریز، اغلاط اور

خامیوں سے مبرا ہوتے تھے' آپؐ کے کلام کو غیبی تائید وتوفیق الہیٰ حاصل تھی۔ کسی نے آپ کے کلام سے زیادہ مفید ' سچا' مناسب وموزوں ' خوش اسلوب ' عمدہ معنی ' اثر انگیز ودلنشیں آسان وزود فہم اوراپنے مقصد و مدعا کو وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کرنے والا نہیں پایا"

صاحب الشفاء قاضی عیاض الیحصبی کاقول یہ ہے کہ (۲۵)!

" وامافصاحتہ اللسان وبلاغتہ القول فقدکان صلی اللہ علیہ وسلم من ذلک بالمحل الافضل والموضع الذی لایجہل۔ سلالتہ طبع وبراعتہ منزع وایجاز مقطع وفصاحتہ لفظ وجزالتہ قول وصحتہ معان وقلتہ تکلف"

جہاں تک فصاحت لسانی اور بلاغت گفتار کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں افضل ترین مقام کے مالک تھے' آپؐ کا مرتبہ فصاحت کسی سے پوشیدہ نہیں' طبیعت کی سلاست وروانی معانی پیدا کرنے کا کمال ' جامع ومختصر جملے' چمک دمک والے الفاظ' صحیح اور تکلف سے پاک کلام آپؐ کا امتیاز تھا۔"

اقتباسات کسی حد تک بات کو بوجھل بنانے کا سبب بن جاتے ہیں اس لئے صرف ایک اور اقتباس پر اکتفاء کرتے ہیں جو ڈاکٹر طہٰ حسین کے مقابلے پر تمام عمرڈٹے رہنے والے عظیم مصری دانشور مصطفےٰ صادق الرافعی کا ہے' فرماتے ہیں(۲۶)!

" ومن کمال تلک النفس العظیمتہ و غلبتہ فکرہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لسانہ' قل کلامہ وخرج قصدا الفاظہ محیطا بمعاینہ تحسب النفس قداجتمعت فی الجملتہ القصیرۃ وللکلمات امعدودۃ بکل معانیھا ' فلاتری من الکلام الفاظا ولکن حرکات نفسیتہ فی الفاظ 'ولہذا کثرت الکلمات التی انفرد بہادون العرب وکثرت جوامع کلمہ وخلص اسلوبہ فلم یقصر فی شئی ولم یبالغ فی شئی واتق لہ من ھذا الامر علی کمالہ الفصاحتہ وا لبلاغتہ ما لواراد مرید العجز عنہ فلو استطاع بعضہ لماتم لہ فی کلامہ لان مجری الاسلوب علی الطبع ' والطبع غالب مماتشد المرء وارقاض ومماتثبت ویبالغ فی التحفظ۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت کے کمال اور زبان پر سوچ کے غالب آنے کا نتیجہ یہ تھاکہ آپ کم گو ہوگئے تھے ۔ آپ کے الفاظ بڑے اعتدال سے ادا ہوتے تھے جو گفتار کے معانی پر محیط ہوتے تھے ۔ آپ کو یوں لگے گا کہ آپ کی شخصیت چھوٹے سے جملے اور چند کلمات

میں اپنے بھرپور معانی کے ساتھ مجتمع ہوگئی ہے' یوں کلام میں الفاظ نہیں بلکہ الفاظ میں شخصیت متحرک دکھائی دے گی۔ چنانچہ آپ کی گفتار میں ایسے منفرد کلمات ومحاورات بکثرت نظر آئیں گے جن میں آپ کے ساتھ کوئی اور عرب شریک نہیں ہے' آپ کے جوامع الکلم کی بھی کثرت ہے۔ آپ کا اسلوب خالص تھا اس لئے نہ تو کسی چیز کے اظہار میں آپ عاجز رہے اور نہ کسی بات میں مبالغہ آمیزی نظر آئی۔ اس سلسلے میں کمال فصاحت وبلاغت کے ساتھ آپ کی گفتار کو وہ ترتیب اور تنظیم میسر آئی جس کا قصد کرنے والا اسے پانے سے عاجز رہا اور اگر اس کا کچھ تھوڑا بہت کسی نے پا بھی لیا تو بھی وہ کمال سے عاجز ہی رہے گا' کیونکہ اسلوب کا بچاؤ طبیعت وفطرت سے تعلق رکھتا ہے جو قابو میں آنے والی نہیں خواہ کوئی کتنی بھی مشقت وریاضت کرلے اور ثابت قدمی واستقامت میں خواہ کتنی ہی مبالغہ آمیزی اور غلو سے کام لیتا رہے۔"

بلاغت کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بھی ہیں جن سے آپؐ کا اپنا نظریہ بلاغت مرتب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کو لمبی چوڑی تقریر پسند نہ تھی آپ خود بھی مختصر خطبہ ارشاد فرماتے اور صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالیٰ کو بھی اس کا حکم دیتے۔ کاہنوں کا سا سجع وقافیہ آپ کو پسند نہ تھا' بات کا بتنگڑ بنانا اور تکلف سے باچھیں کھولنا بھی آپ کو ناپسند تھا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی اور تیزی اور چرب زبانی کی انتہا کر دی' آپ نے فرمایا "کم دون لسانک من حجاب" کہ تیری زبان کے سامنے کتنی رکاوٹیں ہیں؟ تو وہ بولا! مشفتا ی واسنانی ؟ کہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں میرے دو ہونٹ اور میرے دانت! آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ زبان انسان کے قابو میں رکھنے والی چیز ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتیس دانت دیئے ہیں جو زبان کو ادھر ادھر پھسلنے سے بچاتے ہیں ۔ پھر دو ہونٹوں کا قفل ہے اگر لگ جائے تو زبان کی کیا مجال جو اپنا کسی قسم کا عملی مظاہرہ کر سکے ' بظاہر آپ کا مخاطب بھی آپ کی بات کو سمجھ گیا تھا' اس لئے آپ نے اس سے کسی مزید وضاحت کے بغیر فرمایا(۲۷)!

"ان اللہ یکرہ انبعاق فی الکلام فنضر اللہ وجہ رجل اوجز فی کلامہ واقتصر علی حاجتہ"

"اللہ تعالیٰ کو بے لگام گفتگو ناپسند ہے' اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرخ رو فرمائے جو گفتگو میں اختصار ایجاز سے کام لیتے ہوئے اپنی ضرورت بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مختصر خطبہ ارشاد فرماتے تھے بلکہ اپنے صحابہ کرام

کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تقاریر میں اختصار سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ (۲۸)

رسول اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ابغضکم الی الثرثارو ن المتفیھقون" میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو زیادہ باتونی اور گلا پھاڑ کر باتیں کرتے ہیں (۲۹)۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ "ایای والتشادق!" بناوٹی انداز میں باچھیں کھول کر بولنے سے میں بچتاہوں(۳۰)۔

بلاغت نبویؐ کے پس منظر کے طور پر دو باتیں خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ قبیلہ قریش کی شاخ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے، بنوزہرہ کا قبیلہ آپ کا ننھیال تھا اور قبیلہ بنو سعد بن بکر میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے "انا افصح العرب بیدانی من قریش ونشات فی بنی سعد بن بکر" اور آپ کے اس دعوی فصاحت پر کسی نے انگشت نمائی یا اعتراض کبھی نہ کیاتھا۔ اس لئے ان تمام عناصر نے آپ کی بلاغت لسانی کے لئے پس منظر کا کام دیا(۳۱) جو آپ کی معجزانہ بلاغت کا اصل راز تھا۔

ادبنی ربی فاحسن تادیبی" یعنی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے چنانچہ میری خوب خوب ادبی تربیت فرمائی ہے، حدیث نبوی کے بلاغی اعجاز کے ضمن میں یہی بنیادی نقطہ ہے جسے یاد رکھنا بے حد ضروری ہے، دوسری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بلیغ خطبا کے ضمن میں عرب کسی قسم کے عیب برداشت نہیں کرتے تھے، بلکہ خطباء کے عیوب کو بہت اچھالتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون بھی یہ بات کہنے سے باز نہ آیا تھا کہ لا یکاد یبین یعنی یہ تو اظہار بھی نہیں کرپا رہا(۳۲)! مگر رسول اللہؐ کے نکتہ چیں اور عیب جو دشمن تو بڑے سخت اور زبان دراز تھے مگر آپ کی خطیبانہ بلاغت پر نہ تو کبھی کسی کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملا اور نہ کبھی کوئی ایسی بات دیکھنے اور سننے میں آئی۔

اہل علم نے یہ نقطہ بڑی کثرت اور اظہار بیان کے تنوع کے ساتھ بیان کیاہے کہ رسل وانبیا علیہم السلام کی بعثت کے ضمن میں اللہ کی حکمت وسنت یہ رہی ہے کہ ہر نبی کو اس کے ماحول اور اہل زمانہ کی روش کے عین مطابق معجزات عطا کئے جاتے رہے ہیں۔ موسوی عہد کے فراعنہ کے ہاں شعبدہ بازی اور جادوگری کے بڑے چرچے تھے چنانچہ عصائے موسوی اوریدبیضا کے

(بقیہ صفحہ ۶۴ پر)

جناب ڈاکٹر مبارک علی صاحب

ہندوستان کی سیاست میں ترکی غلاموں کا حصّہ

دنیا کی تاریخ میں انسانوں کو بھی جانوروں کی طرح سدھا کر اور تربیت دے کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا گیا اور یہیں سے تاریخ میں غلامی کی ابتدا ہوئی۔ غلامی کے ادارے کو اس وقت تقویت اور قوت ملی، جب بادشاہ یا حکمران بنیادی حمایت سے محروم ہو گئے یا جب انہوں نے مطلق العنانیت کو اختیار کیا اور تمام اختیارات اپنی ذات میں جمع کر لیے تو اس وقت وہ عوامی حمایت اور مقبولیت سے دور ہوتے چلے گئے، اس کمی اور خلا کو انہوں نے غلامی کے ادارے سے پُر کیا۔

اسلام میں بنو اُمیہ کی حکومت قائم ہوئی تو اس کی بنیاد عربی عصبیت پر تھی اور حکومت کے اقتدار میں صرف عربوں کو حصہ ملا جب کہ مفتوحہ علاقوں کے مسلمان اس سے محروم رہے۔ یہی محرومی کا جذبہ عباسی انقلاب کا باعث بنا، جو ایران اور عربوں کی مشترکہ کوشش کی وجہ سے کامیاب ہوا اور اس کامیابی کے بعد ایرانیوں کو بھی حکومت میں حصہ ملا لیکن بہت بعد عباسی خلافت استبداد اور مطلق العنانیت کی جانب بڑھی، جہاں آہستہ آہستہ ایرانی اور عرب اختیارات سے محروم ہوتے چلے گئے اور اس کی جگہ ترکی غلاموں کے ادارے نے لے لی۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اس عمل کی نشاندہی کی ہے کہ جب بادشاہ خود مختاری کا دل دادہ ہو جاتا ہے تو اپنی قوم کے افراد کو سلطنت میں حصہ نہیں دیتا اور غیر قوم سے مدد طلب کر کے اپنی قوم پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ نیا طبقہ بادشاہ کا انتہائی وفادار ہوتا ہے اور اس کی خدمت میں جان کی بازی لگا دیتا ہے، اس لیے بادشاہ کی اس طبقے پر مہربانی بڑھتی چلی جاتی ہے، اور وہ انہیں بڑے بڑے عہدے، عالی شان خطابات اور بڑی بڑی جاگیریں دیتا ہے۔

خلیفہ المتوکل نے خاص طور سے ترکی غلاموں کے ادارے کو اپنی حکومت کے استحکام کے لیے استعمال کیا۔ بعد میں عباسی خاندان کے زوال کے دور میں مشرق اور مغرب میں جب آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں تو ان حکومتوں کی بنیاد فوجی طاقت پر تھی اس لیے کہ ان کی عوام میں کوئی جڑیں نہیں تھیں، اور نہ ان حکمرانوں کا جن ملکوں پر وہ حکومت کر رہے تھے، عوام سے کوئی واسطہ تھا، بلکہ اکثر صورتوں میں یہ حکمران غیر ملکی اور پردیسی تھے، اس لیے ان حالات میں ان کی حکومت کی بنیاد صرف طاقت اور استبدادی اداروں پر تھی، حکومت کے اقتدار میں وہ خود اس ملک کے

لوگوں کو شریک کرنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ اقتدار میں اُن کی شرکت بغاوت یا شورش کی موجب ہو سکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے عباسی دور کے قائم شدہ ترکی غلاموں کے ادارے کو اپنایا اور انہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا، مثلاً صفاری خاندان کے بانی یعقوب بن لیث (۸۶۸ - ۸۷۸) کے پاس دو ہزار غلام تھے جو اس کے ذاتی ملازم بھی تھے اور اس کے محافظ دستے میں بھی۔ اس کے بھائی عمر بن لیث (۸۷۸ - ۹۰۰) کا یہ دستور تھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے لڑکوں بحیثیت غلام کے خریدتا تھا اور ان کی تربیت کرکے انہیں اپنے فوجی جرنیلوں کو دے دیتا تھا، جہاں وہ بحیثیت جاسوس کے کام کرتے تھے اور اس کو ہر قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتے تھے۔

مزدواجی بن زیاد نے جو ویلم کا حکمران تھا، ترکی غلاموں کی تعداد میں اضافہ کیا اور انہیں تین مقاصد میں استعمال کیا، فوجی ملازمت میں، ذاتی خدمت میں اور جاسوسی کے لیے۔

سامانیوں نے اقتدار میں آنے کے بعد اس ادارے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان کا مشہور سپہ سالار اسماعیل بن احمد (وفات ۹۰۷) ایک غلام تھا۔ سامانیوں نے ترکی غلاموں سے ایک اور مقصد پورا کیا۔ یعنی اپنی سلطنت سے ایرانیوں کے طاقت ور عنصر کا خاتمہ کر دیا۔ ان کے ہاں ترکی غلاموں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ نصر بن احمد (۹۱۳ - ۹۴۳) کے عہد میں ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ سامانیوں کے عہد ہی میں الپتگین کو عروج حاصل ہوا اور بعد میں اس نے غزنوی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

گیارہویں صدی عیسوی تک ترکی غلاموں کا ادارہ اس قدر مستحکم ہو چکا تھا اور اس کے فائدے حکمرانوں کے سامنے اس قدر ظاہر ہو چکے تھے کہ انہوں نے ان غلاموں سے اپنی فوج تیار کی۔

ترکی غلاموں کے اس اقتدار میں ان کی اپنی خصوصیات اور اوصاف کو بڑا دخل ہے۔ ان کی وفاداری، بہادری شجاعت اور سادہ کردار کی وجہ سے انہیں بڑی مقبولیت ملی۔ ان غلاموں کے لیے سوائے ان کے آقا کے اور کوئی شخصیت قابلِ احترام نہیں ہوتی تھی۔ خاندان، رشتہ داروں، ماں باپ اور دوستوں سے محروم یہ طبقہ صرف بادشاہ کی ذات کا وفادار ہوتا تھا۔ چونکہ یہ غلام بادشاہ کی جائیداد ہوتے تھے، اس لیے ان غلاموں کی تمام دولت جائیداد اور مال و منال بھی اسی کا ہوتا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد وہی اُن کا وارث ہوتا تھا۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ اس طرح سے ملک کی تمام جاگیریں، جائیدادیں اور مال و دولت اگرچہ تقسیم کیا جاتا تھا، مگر درحقیقت ان کا مالک درپردہ بادشاہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے سلطنت میں امرا کا کوئی طاقت ور طبقہ وجود میں نہیں آسکا جو بادشاہ کی طاقت و اقتدار کو چیلنج کر سکے۔ اس طرح فوج کے تمام افسر، سپہ سالار اور جنرل ترک غلام ہوا کرتے تھے، جن کا کام یہ تھا کہ سلطنت میں ہونے والی تمام بغاوتوں، شورشوں اور سازشوں کو ختم کر دیں۔ یہ مسلسل فتوحات کے ذریعے سلطنت کی حدود اور آمدن میں اضافہ بھی کرتے رہتے تھے۔ اس کی وجہ سے بادشاہ اور اس طبقے میں باہمی اعتماد پیدا ہو جاتا تھا۔

غلاموں کی تعداد بڑھنے کے بعد ان کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا جاتا تھا، ایک طرف وہ غلام تھے جن میں زیادہ لیاقت و قابلیت نہیں ہوتی تھی اور وہ بادشاہ کی معمولی ذاتی خدمات پر مامور رہتے تھے اور ان میں سے اکثر ان ہی عہدوں یا ملازمتوں پر کام کرکے زندگی گزار دیتے تھے لیکن وہ غلام جن میں کوئی صلاحیت ہوتی تھی، وہ اپنی ذاتی خدمت کے دوران بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے اور بہت جلد اعلیٰ عہدوں پر ترقی کرتے ہوئے "غلامانِ خاص" یا "غلامانِ سلطانی" کے درجے پر پہنچ جاتے تھے۔

ترک غلاموں کی اس قدر تعداد اس طرح سے آتی تھی کہ ان کی بڑھتی ہوئی مانگ نے اس تجارت کو زبردست فروغ دیا تھا اور ماوراالنہر کی منڈیوں میں ترک غلاموں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ یقینی بات ہے کہ غلاموں کے حصول اور منافع کے احساس نے انسانیت پر فتح پائی ہوگی، کیوں کہ اس کے بغیر انسانوں کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا تھا۔

ان غلاموں کے حصول کا ایک ذریعہ قبیلوں کی آپس میں جنگیں ہوا کرتی تھیں جن میں شکست خوردہ قبیلوں کے لڑکوں اور عورتوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور پھر انہیں تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا، جو انہیں شہروں کی منڈیوں میں لا کر ان کی عمر، جسمانی خوب صورتی اور ذہانت کی بنیاد پر مختلف قیمتوں پر فروخت کرتے تھے۔

اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ ماں باپ غربت و مفلسی سے مجبور ہو کر اپنی اولاد کو فروخت کر دیتے تھے، تاکہ اس صورت میں انہیں کسی امیر کے گھرانے یا بادشاہ کے ہاں ترقی کے زیادہ مواقع مل سکیں۔

ترکی غلاموں کی مقبولیت کے پیشِ نظر یہ دستور بھی تھا کہ انہیں تحفۃً یا خراج گزار حکمران اور امراء بادشاہ کو دیا کرتے تھے۔ ایک اچھے غلام کا تحفہ دوسرے تمام تحفوں سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ ارسلان خاں منصور (۱۰۱۵ - ۱۰۲۴) کی بیوی ہر سال سلطان محمود غزنوی کو ایک کنیز اور مرد غلام تحفے میں بھیجا کرتی تھی۔ سلطان محمود نے جب خوارزم پر حملہ کیا تو شکست خوردہ بادشاہ کے تمام غلام مالِ غنیمت کے طور پر اسے ملے، اس طرح ماوراالنہر کی مہم (۱۰۲۵) میں یوغتگین کے خلاف تھی، محمود نے اس سے ایک ہزار غلام بطور خراج لیے۔

غلاموں کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ دستور ہو گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے پر جو غلام ان کے ہاتھ آتے، ان میں سے بہترین غلاموں کو بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا جاتا تھا۔ غلاموں کی ترقی اور عروج میں ان کی قسمت اور حالات کا بڑا دخل ہوتا تھا۔ اگر وہ خوش قسمت ہوتے اور ان امرا کے غلام بن جاتے جو نیک و رحم دل ہوتے تھے تو انہیں اس کا موقع مل جاتا تھا کہ وہ مختلف علوم و فنون حاصل کر سکیں، اگرچہ ان غلاموں کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص طریقہ تو نہیں تھا، مگر یہ غلام اکثر اپنے ذاتی شوق اور موافق حالات کے تحت کچھ نہ کچھ سیکھ لیا کرتے تھے۔ اس سے مالک کو بھی فائدہ تھا کہ فروخت کی صورت میں تعلیم یافتہ اور باہنر غلام زیادہ قیمت لاتا تھا۔

ان غلاموں کو جنہیں بادشاہ خریدتا تھا، ابتداء میں اسی کی ذاتی خدمت پر مامور کیا جاتا تھا جیسے ساقیٔ خاص، چاشنی گیر، طشت دار، پوزبان، مشعل بردار، سرچترداد، سرآب دار، خاصہ دار، جامہ دار، سلح دار اور علم دار وغیرہ، اس کے بعد جن غلاموں میں لیاقت ہوتی وہ ترقی کرتے ہوئے فوج کے جنرل اور صوبوں کے گورنر تک ہو جاتے تھے۔ دربار کے اعلیٰ عہدے بھی ان ہی ترکی غلاموں کو ملتے تھے، جن میں امیرِ مجلس، امیرِ حاجب اور امیرِ شکار ہوا کرتے تھے۔

ترک غلاموں کے وسیع اختیارات سے جہاں بہت سے فائدے ہوئے، وہاں اس کے مضر اثرات بھی نکلے، کیونکہ یہ اصول رہا ہے کہ ایک مرتبہ جب تمام اقتدار غلاموں کے طبقے میں منتقل ہوگیا اور ان کی اقتدار کو کوئی دوسرا عنصر یا طبقہ چیلنج کرنے والا نہیں رہا تو انہوں نے اپنی طاقت کا بے جا استعمال کیا، چنانچہ یہ ہوا کہ ایک طاقتور بادشاہ کی موجودگی میں تو یہ غلام اس کے وفادار رہے، لیکن ایک کمزور بادشاہ کے دربار میں انہوں نے اپنی طاقت کا ناجائز استعمال کیا، نئے بادشاہ کی تخت نشینی میں ان ترک غلاموں کی رائے کو بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ اس لیے اکثر ایسا ہوا کہ بادشاہ کے نامزد جانشین کے بجائے، اپنی پسند کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرا دیا جاتا اور اس سے فوائد حاصل کیے جاتے۔ اس وجہ سے اکثر شاہی خاندان، ان ترک غلاموں کی سیاسی کش مکش اور سازش کی وجہ سے ختم ہو گئے۔

سلطان معز الدین غوری اور اس کے غلام۔

غزنوی حکومت کی بنیاد الپ تگین نے ڈالی تھی، جو سامانیوں کا غلام تھا، اسی کے ایک اور ترک غلام سبک تگین نے اس کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ فتوحات کے ذریعے سلطنت کی توسیع بھی کی۔ غزنوی سلطنت کے بعد جب غوریوں نے اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی تو انہوں نے بھی ترک غلاموں کے ادارے کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس میں نئی جان ڈالی۔ سلطان معز الدین غوری کے کوئی اولاد نہ تھی، صرف ایک لڑکی تھی، اس کو ترک غلام خریدنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ جب وہ کسی غلام کی تعریف سنتا تو اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ اسے اپنے غلاموں سے قلبی لگاؤ اور محبت تھی، اسی لیے جب کسی درباری نے اس سے یہ سوال کیا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ تو سلطان نے فوراً جواب دیا "دوسرے بادشاہوں کے ایک یا دو لڑکے ہوں گے، جب کہ میرے ہزاروں لڑکے ہیں۔ اس کی مراد اپنے ترکی غلاموں سے تھی، جنہوں نے آگے چل کر اس کے نام کو زندہ کیا۔

معز الدین کے یوں تو ہزاروں غلام تھے، لیکن تین غلاموں نے خصوصیت سے اس کے عہد میں اور بعد میں زیادہ نام پیدا کیا۔ یہ تھے، تاج الدین یلدوز، قطب الدین ایبک اور ناصر الدین قباچہ۔ ان تینوں غلاموں کی ابتدائی تاریخ سے غلاموں کے اس نظام کا اندازہ ہوتا ہے جو اس وقت قائم تھا اور یہ کہ وہ جس انداز، طریقے اور نہج پر کام کر رہا تھا۔ مثلاً تاج الدین یلدوز کو ابتدائی عمر میں سلطان معز الدین نے خریدا، ابتداء میں اس نے معمولی کام کیے، لیکن بعد میں ترقی کرکے وہ "غلاموں کا سردار ہوگیا اور اس کے بعد کرمان اور سنقران کی جاگیریں اسے ملیں، وہ سلطان

کے محبوب غلاموں میں سے تھا اور اس کا یہ دستور تھا کہ سلطان ہر سال ہندوستان سے واپسی پر اس کے پاس قیام کرتا اس موقع پر یلدوز ایک شاندار ضیافت کا انتظام کرتا اور ایک ہزار خلعتیں اور ٹوپیاں مہمانوں میں تقسیم کرتا۔ جب آخری مرتبہ سلطان اس کے پاس ٹھہرا تو اس نے ایک خلعت اور ٹوپی اپنے لیے پسند کی اور یلدوز کو نشانِ سیاہ (چتر) اور اپنا ملبوسِ خاص دیا۔ سیاہ چتر دینے کا یہ مطلب بھی تھا کہ وہ اسے اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہے۔

قطب الدین ایبک کی ابتدائی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ابتداء میں نیشاپور میں قاضی فخر الدین نے خریدا اور اپنے بچوں کے ہمراہ اسے بھی تعلیم و تربیت دی، بعد میں اسے غزنی لے جا کر سلطان معز الدین کے ہاتھ فروخت کیا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ابتدا ہی سے بڑا فیاض اور سخی تھا۔ ایک مرتبہ ایک مجلسِ نشاط کے موقع پر سلطان نے اسے انعامات و اکرام سے نوازا تو اس نے اپنے تمام انعامات محفل سے باہر آ کر ملازموں میں تقسیم کر دیئے۔ یہ سن کر سلطان اس سے بہت خوش ہوا اور اس پر پہلے سے زیادہ توجہ کرنے لگا۔ اگرچہ وہ خوبصورت نہیں تھا لیکن اس میں بڑی صلاحیتیں تھیں، اس لیے وہ ترقی کر کے امیر اخور (شاہی اصطبل کا انچارج) ہو گیا۔ اس کے بعد اسے کہرام کا گورنر بنایا گیا اور پھر ہندوستان کی فتح کے بعد وہ یہاں کا وائسرائے بنا۔

تیسرا غلام ناصر الدین قباچہ تھا جس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اسے ابتدا ہی سے دربار میں اہم خدمات دی گئیں اور وہ سلطان کا مقربِ خاص ہو گیا۔ جب سلطان کا ایک اور غلام ناصر الدین ایتمر، خوارزم شاہ کی جنگ میں مارا گیا تو اس کی ملتان اور اوچ کی جاگیر قباچہ کو دے دی گئی، جہاں وہ آخر تک حکمران رہا۔

سلطان معز الدین کی یہ خواہش تھی کہ اس کے غلاموں میں اتحاد اور دوستی قائم رہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ان تینوں کے درمیان شادی و بیاہ کے تعلقات قائم کر دیئے۔ چنانچہ یلدوز کی دو لڑکیاں، ایبک اور قباچہ کے ساتھ بیاہی گئیں اور ایبک کی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے قباچہ کے نکاح میں آئیں۔

یہ اتحاد سلطان کی زندگی میں تو رہا لیکن اس کی وفات کے بعد سیاسی طاقت کے حصول میں یہ پاش پاش ہو گیا، کیونکہ سلطان معز الدین کی وفات کے بعد اس کے غلام اس کے جانشین ہوئے اور سلطان محمود نے جو اس کا بھتیجا تھا، فیروزکوہ میں رہنا پسند کیا۔ اس نے تاج الدین یلدوز اور قطب الدین ایبک کو غلامی سے آزادی کا خط بھیجا اور ساتھ ہی انہیں چتر اور خطاب دے کر ان کے علاقوں میں خود مختاری دے دی۔ ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں کہ قباچہ کو بھی کوئی ایسا خط یا خطاب یا شاہی علامت ملی ہو۔ سلطان کے مرنے کے بعد یلدوز غزنی میں اور ایبک دہلی میں خود مختار ہو گئے۔ قباچہ اگرچہ خود مختار تھا لیکن وہ شاید احتراماً ایبک کی زندگی میں اس کا وفادار رہا اور اکثر اوچ سے اس کے پاس دہلی بھی جاتا رہا۔ یلدوز کی ایبک اور قباچہ دونوں

سے جنگیں ہوئیں اور بالآخر (۱۵-۱۲۱۶ء میں) التتمش کے ہاتھوں اسے شکست ہوئی۔

التتمش نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد ایک مضبوط بادشاہت کی کوشش کی اور اس نے یلدوز کے بعد (۱۲۲۸ء میں) قباچہ کو شکست دے کر ختم کر دیا۔

التتمش اور ترکی غلام۔

التتمش کے دربار میں سلطان معزالدین کے ترکی غلاموں کی کافی تعداد موجود تھی۔ یہ معزی کہلاتے تھے، لیکن التتمش کے زمانے میں ان کا اثر و رسوخ کم ہو چکا تھا، کیونکہ التتمش نے خود ترکی غلام خرید کر اپنا ایک "وفادار طبقہ" پیدا کر لیا تھا، اس لیے کہ اسے اندازہ تھا کہ وہ معزی غلاموں پر بھروسہ نہیں کر سکتا ہے۔ ہمیں التتمش کے ان غلاموں کے تذکرے ملتے ہیں جنہوں نے اس کے عہد میں ترقی کی اور دربار کے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ مثلاً ملک تاج الدین سنجر کزلک (وفات ۱۲۳۱ء) ایک مشہور غلام تھا، جسے التتمش نے بچپن میں خریدا تھا، اس کی پرورش ناصر الدین محمود کے ساتھ ہوئی تھی۔ ابتدا میں اسے چاشنی گیر کا عہدہ ملا، پھر داروغۂ اصطبل اور قباچہ کے خاتمے کے بعد ملتان، کہرام اور تبرہند (بھٹنڈہ) کا حاکم ہوا۔

سیف الدین ایبک یغاں تت (وفات ۱۲۴۲ء) بھی التتمش کے غلاموں میں سے تھا۔ یہ امیر مجلس کے اہم عہدے پر فائز ہوا اور بعد میں بہار و لکھنوتی کی ولایت اسے ملی۔ ملک عزالدین طغاں خاں طغرل (وفات ۱۲۴۷ء) التتمش کا ساقیِ خاص، سرداراتِ دار، چاشنی گیر، داروغہ اصطبل اور آخر میں بدایوں کا گورنر ہوا۔ ملک اختیار الدین التونیہ نے سرآب دار سے ترقی کر کے تبرہندہ کی گورنری حاصل کی۔

یہ تمام ترکی غلام سلطنت کے اہم اور بااثر عہدوں پر قابض تھے اور اسی وجہ سے دربار میں ان کا ایک طاقتور گروپ تھا، جو بعد میں "امیر چہل گانہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ چونکہ ایبک اور التتمش کا تعلق غلاموں سے تھا کسی شاہی خاندان سے نہیں تھا، اس لیے ان کے خاندان کی وفاداری کی جڑیں امرا اور عوام میں گہری نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ التتمش کے بعد کچھ ترک غلاموں نے یہ کوشش کی کہ وہ سلطنت پر قابض ہو جائیں، ان میں ملک التونیہ ملک اختیار الدین یوزبک اور ملک عزالدین کشلو خاں نے بغاوت کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا، مگر اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔

ان غلاموں میں سے خاص خاص غلام، شاہی خاندان سے شادی کے ذریعے تعلق قائم کر کے اس خاندان کا حصہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایبک نے اپنی لڑکی کی شادی التتمش سے کر دی، ملک التونیہ نے سلطانہ رضیہ سے شادی کی اور بلبن نے اپنی لڑکی کی شادی ناصر الدین محمود سے کر دی۔ اس ذریعے سے ایک خاص طبقہ پیدا کر لیا جاتا تھا تاکہ شاہی خاندان کو استحکام مل سکے۔

اس سیاسی ڈھانچے کا یہ اثر ہوا کہ حکومت اور حکومت کے تمام ادارے اور تمام سیاسی اختیارات صرف ترک غلاموں میں محدود ہو کر رہ گئے، اس لیے لازماً ان کی یہ کوشش تھی کہ یہ ڈھانچہ اسی طرح برقرار رہے اور ان کی مراعات اسی طرح قائم رہیں۔ اس جذبے نے امیر چہل گانہ کو جنم دیا۔

امیر چہل گانہ

یہ چالیس امیر التتمش کے غلام تھے جنہوں نے اپنی ایک طاقت ور اور مضبوط جماعت بنالی تھی۔ یہ غلام اس کی زندگی میں تو اس کے وفادار رہے لیکن اس کی وفات کے بعد انہوں نے ہر نئے بادشاہ کے انتخاب میں دخل دینا شروع کیا اور اپنی مرضی کے حکمران تخت نشین کرانے لگے جس کی وجہ سے ہندوستان کی سلطنت سیاسی انتشار کا شکار ہو گئی اور اس انتشار میں ان کی طاقت میں مزید اضافہ ہوا، کیونکہ بادشاہت کے مستحکم ادارے کے ختم ہونے کے بعد ان کی طاقت باقی رہ گئی تھی۔

ضیاءالدین برنی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ۔

" بندگانِ شمس چونکہ ایک ہی آقا کے غلام تھے اور وہ چالیس کے چالیس ایک ہی وقت میں بلند مقام پر پہنچے تھے، اس لیے وہ ایک دوسرے کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے سامنے سر جھکاتے تھے اور اقطاع، لشکر اور بزرگی و مرتبے میں سب کے سب برابری اور مساوات کا مطالبہ کرتے تھے، ان میں سے ہر ایک شیخی مارتا کہ میں ہی سب کچھ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی نہیں۔

جب بلبن بادشاہ بنا تو اس نے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس کی بادشاہت اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ امیر چہل گانہ کا خاتمہ ہو جائے۔ اپنے ابتدائی زمانے میں وہ خود بھی ان میں سے ایک تھا اور اس گروہ کی طاقت اور قوت سے پوری طرح آگاہ تھا، اس لیے اس نے ایک ایک کر کے ان غلاموں کو مختلف ذریعوں سے قتل کرا کے ان کا زور توڑ دیا۔

امیر چہل گانہ کے خاتمے کے ساتھ ہی ہندوستان سے ترک غلاموں کے اثر و رسوخ اور اقتدار کا خاتمہ ہو گیا بلبن کے خاندان کے بعد جو حکمران آئے، وہ خالصتاً ترک نہیں تھے، اس لیے اگرچہ انہوں نے غلامی کا ادارہ تو قائم رکھا لیکن ترک غلام ہندوستان نہیں آتے تھے۔ کیونکہ اب ترک غلاموں کی سپلائی اتنی زیادہ تعداد میں نہیں ہو سکتی تھی، ہندوستانی غلاموں نے انفرادی طور پر تو ترقی کی جیسے ملک کافور اور خسرو خاں مگر بحیثیت مجموعی یہ ترک غلاموں کی مانند اقتدار پر قابض نہیں ہو سکے۔

ہندوستان میں ترک غلاموں کے ادارے کو اس وقت زوال ہوا جب ہندوستان میں ان کے منصب میں دوسری جماعتیں شلاً خلجی اور تغلق پیدا ہوئے۔ انہوں نے برسر اقتدار آکر ان غلاموں کے بجائے اپنے لوگوں پر (بقیہ ص ۴۶ سے)

سودی نظام کے تحفظ کیلئے حکومت کے دجل و تلبیس کا نیا شاہکار

بیمہ کمپنی نے دار العلوم حقانیہ کے مولانا مفتی محمد فرید کے نام سے ہزاروں کی تعداد میں جعلی فتوی تقسیم کیا

بیمہ کی شرعی حیثیت پر دار العلوم حقانیہ کے مفتی کا آٹھ سال قبل کا اصل فتویٰ

سودی نظام کی محافظ حکومت اور بیمہ کمپنی کی دجل و تلبیس کا تازہ شاہکار ذیل کا جعلی فتویٰ ہے جو انہوں نے جامعہ دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی حضرت مولانا محمد فرید مدظلہ سے منسوب کر کے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے مفتی صاحب موصوف کے دستخط بھی جعلی ہیں اور فتویٰ نمبر بھی جعلی ہے۔

استفتاء کے جواب میں مفتی صاحب سے منسوب جعلی فتویٰ کی عبارت درج ذیل ہے۔

"جواب:۔ ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ دینی مسائل گزراوقات بدنیتی سے پیدا ہوتے ہیں۔

برصغیر کی اکثریت جن علماء کی پیروی کرتی ہے اکثر کا فتویٰ بیمہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اس بات میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ شرکت کا مسئلہ بظاہر قابل اعتراض نہیں ہے۔ پس اگر بیمہ کمپنی ان رقوم سے تجارت، صنعت خدمات اور دیگر شعبوں میں ممبران کو منافع کی شکل میں کچھ نہ کچھ دیتی ہے۔ تو قابل اعتراض نہ ہوگا!

اس کے علاوہ سائل نے اپنی غیر مقلدی تحریر میں جن خیالات کا اظہار کیا۔ یہ سچ ہے کہ تمام حوالہ جات (اشارہ) وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں، اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلامی ملک میں رہتے ہوئے اس کو بار بار پیچیدہ مسئلہ نہ بنائے۔ الغرض سود سے مراد وہ رقم جو قرض دی جائے یا لی جائے"۔

اہل علم، قارئین اور حضرت مفتی صاحب موصوف کے فتاوی اور ان کے طرز تحریر سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ جعلی فتویٰ کی یہ عبارت کس قدر بودی اور جہالت پہ مبنی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کا جو اصل فتویٰ ہے وہ ماہنامہ الحق اکتوبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہو چکا ہے ذیل میں وہی فتویٰ دوبارہ نذر قارئین ہے تاکہ سودی نظام کے محافظ حکومت کا شرمناک کردار اور بیمہ کمپنی کی جعل سازی اور دجل و فریب بے نقاب ہو جائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ

بیمہ کی شرعی حیثیت

سوال :۔ بیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے حلال ہے یا حرام ہے ؟ فضل امین

جواب :۔ بیمہ حرام ہے ۔بیمہ کا یہ دلفریب اور سبز باغ محرمات شرعیہ سے بھرپور ہے ۔اس میں سود ،غیر شرعی شرائط جوکہ وہی نمایاں طور سے موجود ہیں ۔

حرمت اول ۔بیمہ کمپنی جو رقم بیمہ داروں سے اکٹھا کرتی ہے نہ یہ وقف ہے اور نہ ہبہ ۔بلکہ شرکت یا قرض حسنہ ہے اور یہ کمپنی اس کو زیادہ تر کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے ۔اور شاذ و نادر تعمیرات پر خرچ کرتی ہے تو لازمی طور سے تنخواہوں اور حوادثات معہودہ میں زیادہ تر خرچ اس سودی منافع سے ہوگا ۔صرف تعمیرات کے منافع ان عظیم اخراجات کے پورے کرنے سے عاجز ہیں ۔پس بہرحال بیمہ کاری میں تعاون علی المعصیت موجود ہے جوکہ نص قرآنی کی بنا پر حرام ہے ۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۔

نیز بیمہ کاری میں اس ناجائز تعاون کے علاوہ سود خوری کی دوسری نوعیت بھی موجود ہے ۔کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رقم بیمہ دار نے بطور قرض حسنہ کے جمع کی ہے تو اس بیمہ دار کو جو زائد رقم کسی وقت دی جاتی ہو سود ہوگا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر نفعا فہو حرام (رواہ الحارث بن محمد فی مسندہ وروی البخاری فی صحیحہ وفی تاریخہ مایدل علیہ)

حرمت دوم ۔جب بیمہ دار قسط اول کی ادائیگی کے بعد نادار یا بیداری کی وجہ سے قسط دوم کی ادائیگی نہ کرے تو یہ کمپنی اس کی قسط اول سوخت کرتی ہے جو کہ امانت یا قرض کا غصب ہے ۔اور صریح ظلم ہے ۔اور بیمہ دار بننے کے وقت اس شرط کا لگانا غیر شرعی اشتراط ہے ۔

حرمت سوم ۔جیسا کہ کبھی بیمہ دار اپنی جائیداد کی مالیت ظاہر کرکے کمپنی کو دھوکہ دیتا ہے اور کبھی زوال یافتہ بیمہ شدہ مال کو ہلاک کرکے کمپنی سے پوری رقم وصول کرتا ہے تو اسی طرح یہ کمپنی غیر معمولی منافع کو ہضم کرتی ہے اور بیمہ دار کو چند فیصد پر راضی کرتی ہے نیز یہ کمپنی خطرہ کے وقت خود بچ جاتی ہے اور خمیازہ پوری قوم بھگتتی ہے ۔ فقط واللہ الموفق

محمد فرید عفی عنہ

خادم دارالافتاء والحدیث بدارالعلوم الحقانیہ

Adarts HSF 1/82

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

تہذیب مغرب، زوال و اضمحلال کے آخری مرحلہ میں

روزنامہ جنگ لندن کی ایک خبر کے مطابق برطانوی حکومت جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار سے نمٹنے کے لیے پولیس میں مزید دس ہزار افراد کا اضافہ کر رہی ہے تاکہ جرائم پر قابو پایا جائے ایک اور تجویز کے مطابق پولیس فورسز کو از سر نو منظم کرنے پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔

برطانوی وزیر اعظم جان میجر نے بھی برطانیہ میں سنگین جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اور سخت ترین کارروائی کے لیے کہا ہے۔ حزب اختلاف نے بھی برسر اقتدار حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ خوفناک حد تک جرائم میں اضافہ پر قابو پانے کے لیے انقلابی اقدام کرے۔ برطانوی وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ نوعمر بچوں کا سنگین ترین جرائم کا ارتکاب پریشان کن صورت حال ہے۔

اور ملک کے بیشتر عوام کے لیے جرائم کا اژدھا پریشان کن ہے۔

اس قسم کی خبریں اور اعلانات تقریباً روزانہ اخبارات اور ٹیلیویژن پر سنے اور پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ـــــ کے مصداق جرائم کی رفتار بھی بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ اور برطانیہ کے عوام جرائم کی مسلسل خبروں سے بہت پریشان نظر آتے ہیں۔ یورپ کے عوام بھی اس سے محفوظ نہیں۔ ان کی راتوں کی نیندیں بھی حرام ہو چکیں ہیں اور جرائم کے بڑھنے سے ان کا سکون بھی لٹ چکا ہے۔

برطانیہ اور یورپی نظام معاشرت کا المیہ یہ نہیں کہ یہاں بڑی عمر کے لوگ جرائم میں ملوث ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ نوعمر اور کم سن بچے تک قتل۔ لوٹ مار۔ چوری۔ توڑ پھوڑ اور آگ لگانے تک سے باز نہیں آتے۔ اگر یہ بچے اسکولوں میں ہوں تو اساتذہ کے ساتھ گستاخانہ رویہ۔ اسکول کی عمارت کو آگ لگانا۔ خاتون ٹیچر پر مجرمانہ حملہ اور اسکول کی قیمتی چیزوں کی توڑ پھوڑ ان کے نزدیک کوئی بری بات نہیں۔ تعطیلات کے دن ہوں تو پڑوسی ان کی حرکات سے تنگ رہتے ہیں۔ اس خوف سے گھر چھوڑ کر نہیں جاتے کہ ان کی غیر موجودگی میں کہیں دروازہ نہ توڑ دیا جائے۔ اور قیمتی اشیاء نہ چرا لی جائیں۔ گزشتہ دنوں برطانوی ٹیلیویژن کی اہم خبروں میں ایک ۱۲ سالہ لڑکے نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے پچھلے چند ماہ میں تقریباً دو سو سے زائد گاڑیاں چرائیں ہیں۔ اور ان کے شیشوں کو

توڑتا ہے۔ ٹیپ اور قیمتی اشیاء اٹھائیں ہیں۔ اس نے رپورٹر کو بتلایا کہ آپ گاڑیوں کو کتنے ہی محفوظ طریقے پر کیوں نہ بند کرلیں اس کے باوجود اسے کھول دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پولیس نے اسے کئی مرتبہ گرفتار کیا لیکن قانون کی لچک نے اسے رہا ہونے پر مجبور کردیا ہے۔ محلہ میں رہنے والے لوگ جب اس قسم کے نوعمر مجرموں کے والدین سے ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو والدین یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں کہ "ہم کیا کرسکتے ہیں" اسی طرح برطانوی پولیس بھی نوعمر بچوں میں جرائم میں بڑھتی ہوئی رفتار سے گو کافی پریشان ہے لیکن قانون کے آگے بے بس ہے۔ برطانیہ کے سکولوں میں بچوں کی گستاخی اور ان کی شرارت پر بطور تنبیہ کے مارنا ممنوع ہے۔ لیکن اب حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ اراکین پارلیمنٹ اسکولوں میں بچوں کو سزا دینے کی حمایت کر رہے ہیں۔ روزنامہ آواز لندن کی خبر کے مطابق۔

برطانوی اراکین پارلیمنٹ نے اسکولوں میں طلبہ کو سزا دینے کی غرض سے ڈنڈا استعمال کرنے کی حمایت کی ہے ۵۰ کے قریب اراکین پارلیمنٹ نے کہا ہے کہ ڈنڈے کے استعمال سے خراب اور شرارتی بچوں کو کنٹرول کرنے اور بچوں میں جرائم کا ارتکاب کرنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ ایک برطانوی سابق وزیر اور موجودہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر مسٹر بائسن نے کہا کہ کلاس میں ڈسپلن نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کے جرائم کا ارتکاب کرنے میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ (۱۱ر جولائی ۱۹۹۳ء)

برطانیہ کے تمام مفکرین اور دانشور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نوعمر بچے جرائم کی دنیا میں بڑی تیزی سے جا رہے ہیں لیکن اس خطرناک صورت حال پر قابو پانے کے لیے جد وجہد کرنے والی تمام قوتیں اس نقطہ پر آکر مجبور ہو جاتی ہیں کہ نوعمر بچے قانون کی گرفت میں نہیں آسکتے سو مرتبہ جرم کریں تو بھی محض تنبیہ پر اکتفا ہو جاتا ہے۔ اسی سے اندازہ فرما لیجئے کہ برطانیہ کا مستقبل کس قدر خطرناک ہوگا اور تہذیب یافتہ ممالک کس شرمناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔

برطانوی مفکرین و مبصرین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بچوں میں مجرمانہ افعال اور بد اخلاقی و فحاشی کے یہ مضر اثرات برطانوی ذرائع ابلاغ ویڈیو فلموں اور کمپیوٹر کے کھیل نے پھیلا رکھے ہیں۔ برطانوی T-V میں تشدد و عریانی پر مبنی فلمیں عام دیکھی جاسکتی ہیں۔ بچے ویڈیو فلموں کے ذریعہ اس قسم کے مخرب اخلاق اثرات حاصل کرتے ہیں۔ اور کمپیوٹر کھیل کے ذریعہ ان کی عادتیں بگڑتی ہیں۔ برطانوی وزیر صحت کا اعتراف ملاحظہ کیجئے۔

برطانیہ کی وزیر صحت ورجینا بلٹملے نے کہا کہ T-V پر تشدد اور جنسی عریانی کے مناظر بچوں کے ذہنوں پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چنانچہ والدین کو بچوں کے ہاتھوں مختلف نوعیت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ نئی ٹیکنالوجی کے ذریعہ جنسی بے راہ روی اور تشدد کے مناظر آسانی سے بچوں کو دیکھنے مل جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ والدین کو چاہیئے کہ وہ بچوں کو ٹیلی ویژن پر غیر مناسب مواد نہ دیکھنے دیں۔ (۱۸م اگست ۱۹۹۳ء)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرہ کے بگاڑنے میں اور نئی نسلوں کو بد اخلاق بنانے اور شرم وحیاء سے خالی کرنے میں برطانوی ذرائع ابلاغ کا خاصا دخل ہے ۔لیکن ان سب کے باوجود برطانوی حکومت میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ مخرب اخلاق وحیاء سوز پروگراموں کو خلاف قانون قرار دے سکیں ۔

برطانوی وزیر صحت یہ تو کہتی ہیں کہ والدین اپنے بچوں کو یہ مواد نہ دیکھنے دیں ۔لیکن یہ کہنے کی فرصت نہیں کہ برطانوی ذرائع ابلاغ اس قسم کے مواد پیش نہیں کر سکتے ۔اور اس کی خلاف ورزی قانوناً جرم ہوگا ۔ وہ یہ تو کہتی ہیں کہ " نوعمر مجرموں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ املاک کو تباہ کریں ۔سڑکوں پہ ہنگامہ کریں اور معمر و کمزور لوگوں کو تنگ کریں (۹ جولائی) لیکن ان نوعمر مجرموں کو جس چیز نے جرائم پر ابھارا ہے اور جس پروگرام نے ان کے اخلاق تباہ کئے ہیں اس کے خلاف لب کشائی اور ایسے پروگراموں پر پابندی ان کے بس کا روگ نہیں ۔ وہ یہ تو کہتی ہیں کہ ایک ذمہ دار معاشرے کو چاہیئے کہ اپنی نئی نسل کی غلط کاریوں کے رویے پر واضح پابندیاں عائد کرے (ایضاً) لیکن اسکولوں میں مخرب اخلاق وحیاء سوز افعال واسباق کا کلیتہً خاتمہ ۔اور شرمناک اشتہارات ورسائل پر پابندی لگانا تہذیب کے خلاف سمجھتی ہیں ۔

نوعمر بچہ ذرائع ابلاغ اور ریڈیو پروگراموں اور اسکولوں میں دی جانے والی جنسی تعلیم کے نتیجے میں معاشرہ کا ہی ناسور نہیں بنے گا اور کیا ہوگا؟ جس بچے کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ مار دھاڑ چوری چکاری اور مجرمانہ سرگرمیوں سے ہی ہیرو بنا جاسکتا ہے تو پھر معذوروں کو نہ ستائے اور کیا کرے ۔عورتوں کی رقم نہ چھینے تو اور کیا ہو ۔دکانوں میں توڑ پھوڑ نہ کرے تو اور کیا کرے ۔وہ جانتا ہے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہیرو بننے کی خواہش پوری ہوسکتی ہے ۔

اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ برطانوی تہذیب نہ صرف عقائد کی دشمن ہے بلکہ اخلاق و انسانی حقوق کی بھی سخت مخالف ہے ۔یہ تہذیب انسان کو جانور بلکہ اس سے بدتر بنا دیتی ہے اس تہذیب سے نہ بوڑھے بچتے ہیں نہ بچے ۔نہ برطانوی محفوظ ہیں اور نہ غیر ملکی ،سب ہی اس تہذیب کی خباثت کی لپیٹ میں ہیں ۔ یہ تہذیب اصلاح قلب وفکر کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے اور فساد قلب ونظر اس تہذیب کی اصل جڑ ہے ۔

فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیر پاک وخیال بلند و ذوق لطیف

اس تہذیب کا شعار ہی انسانیت کی تباہی ۔ اخلاق کی بربادی ہے اور انسانی شرف وعزت کی ہلاکت اس تہذیب میں یقینی ہی ہے ۔ اور ایک ہم ہیں جو اس تہذیب پر سوجان سے قربان اور اسے اسلامی ممالک میں درآمد کرنا موجودہ دور کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں ۔اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر یہ تہذیب اسلامی ممالک میں

آگئی تو یہ ملک پوری دنیا میں متعارف ہو جائے گا۔ فالی اللہ المشتکی۔

برطانیہ کے شہر لیڈز میں ایک کورٹ نے اغوا کے ایک ملزم کی سزا پانچ سال سے کم کرکے چھ ماہ کر دی ہے۔

جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ایک مہذب معاشرہ اتنی سخت سزا کا قطعی متحمل نہیں ہو سکتا (جنگ لندن)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی تہذیب اور برطانوی جج کے نزدیک کسی شخص کو اغوا کر لینا اتنا بڑا جرم نہیں کہ اسے پانچ سال کی سزا دی جا سکے۔ البتہ ایسے مجرم کو پانچ سال کی سزا سنانا اور جیل بھیج دینا مغربی تہذیب اور مہذب معاشرہ کے سخت خلاف ہے اب آپ ہی سوچ لیجئے کہ اس فیصلہ سے مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو گی یا حوصلہ افزائی؟ مجرم میں مزید جرائم کی جرأت پیدا ہو گی یا مجرم کو جرم کے وقت خوف بھی لاحق ہو گا؟۔

اسی تہذیب اور قانون کے نتیجہ میں یورپی معاشرہ میں جرائم کی رفتار برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ جب مجرم کو یہ معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا جرم بھی کر لیا جائے تو قانون اس کی مدد کرے گا اور سخت سزا نہیں دے گا تو وہ کھلے عام جرائم کا ارتکاب نہ کرے تو اور کیا کرے۔

برطانوی قانون انصاف کی اسی نرمی نے برطانوی پولیس کے لیے بھی ایک بڑا مسئلہ پیدا کر رکھا ہے۔ اور آج کل برطانوی قانون انصاف اور برطانوی پولیس کے درمیان سخت معرکہ آرائی شروع ہے۔ برطانوی پولیس کا کہنا ہے کہ وہ بڑی محنت اور مشقت کے بعد خطرناک مجرموں کو گرفتار کرتی ہے اور اسے قانون کے حوالے کر دیتی ہے لیکن برطانوی قانون میں اتنی زیادہ لچک اور نرمی پائی جاتی ہے کہ مجرم بآسانی عدالت سے بری ہو جاتا ہے اور برطانوی پولیس منہ دیکھتے رہ جاتی ہے۔ بلکہ کئی مرتبہ پولیس مجرم کو گرفتار کرنے سے اس لیے ہچکچاتی بھی ہے کہ مجرم کو گرفتار کرنے کے بعد اس کی مکمل فائل بنانے میں کافی وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے دن عدالت اسے باعزت بری کر دیتی ہے۔ مجرم یا قانون کی نرمی سے فائدہ اٹھا لیتا ہے یا پھر مجرم کی کم عمری اسے سزا دینے میں حائل ہو جاتی ہے۔

۲۱ ستمبر کو TORQUAY شہر میں برطانوی پولیس سپرٹنڈنٹ ایسوسیشن کے زیر اہتمام ہونے والے ایک عظیم اجتماع میں برطانیہ بھر کے پولیس سربراہوں نے کھل کر برطانوی قانون انصاف پر تنقید کی ہے۔ اور عدالتوں کے طریق کار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اور کہا ہے کہ موجودہ قوانین انصاف انتہائی ناقص ہیں۔ اور یہ فیل ہو چکے ہیں۔ اس قانون سے مجرموں کو جرائم پر آمادہ کرنے کی راہیں کھلتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان میں تبدیلی پیدا کی جائے اور ایسا نظام وضع کیا جائے جہاں مجرموں کے ساتھ سختی سے نمٹا جا سکے۔ برطانیہ کا موجودہ قانون انصاف ملکی سطح پر ایک المیہ سے کم نہیں۔ ابھی مقتول کے ورثاء کے آنسو بھی خشک نہیں ہونے پاتے کہ قاتل کھلے عام پھرتا نظر آتا ہے۔

برطانوی عدالتوں کے باہر کئی مرتبہ مظاہرے بھی ہو چکے ہیں اور حکومت کو متوجہ کرنے کے لیے کئی اہم قرار دادیں

بھی سامنے آچکیں ہیں کہ یہاں مظلوم کے بجائے ظالم کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔
روزنامہ انڈی پینڈنٹ لندن کی ۲۲ ستمبر کی اشاعت میں بتلایا گیا کہ برطانوی محکمہ پولیس کے ۲۰۰ سے زائد نمائندوں نے بالاتفاق یہ قرارداد پاس کی ہے کہ موجودہ قانون انصاف فیل ہو چکا ہے۔

THE 200 DELEGATE UNANIMOUSLY PASSED A MOTION THAT THE CONFERENCE BELIEVED THE SYSTEM HAD FAILED THE CITIZENS OF THIS COUNTRY

روزنامہ ٹائم نے اسی دن کی اشاعت میں سرورق پر یہ سرخی جمائی ہے۔

POLICE SAY JUSTICE SYSTEM IS COLLAPSING

پھر تفصیلات بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ برطانیہ کے سیدھے سادے شہری بھی اس کی بھرپور حمایت کرتے ہیں کیونکہ قانون کی اس نرمی کی وجہ سے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان کے گھر بار توڑے جاتے ہیں۔ بوڑھی عورتوں کو زدوکوب کیا جاتا ہے۔ اور خون میں تڑپتا چھوڑ کر سامان رکھا کر چلے جاتے ہیں۔ برطانوی پولیس آفیسروں نے حکومت کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ موجودہ قانون انصاف میں تغیر و تبدل کرے گا تاکہ یہ نظام صحیح ہو سکے۔ مگر گورنمنٹ کے وزراء اس لیے اس پر توجہ نہیں دیتے کہ انہیں اس پر ایک خطیر رقم صرف کرنی پڑے گی۔

اس کانفرنس میں متعدد ایسے مقدمات پر بھی بحث کی گئی جسے پولیس نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا تاکہ مجرم کو سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے مگر عدالتوں کے جج نے موجودہ قانون کی نرمی اور لچک سے فائدہ اٹھا کر مجرم کو باعزت بری کر دیا۔ اور اگر کہیں کسی مجرم کو سزا دینا ہی مجبوری تھی تو اسے "مہذب معاشرہ اور سخت سزا" کے عنوان پر نہایت تھوڑی سزا دے کر فارغ کر دیا گیا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یورپی معاشرہ کے بگاڑنے میں جہاں مغربی تہذیب کو دخل ہے تو ساتھ ہی عدالتوں کا نظام اور قانون انصاف بھی بالکل ناقص ہے۔ اس قانون میں مجرم کے جرم کو دیکھنے کے بجائے معاشرہ کو دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کی سخت سزا اس نام نہاد تہذیب کے خلاف تو نہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس جرم سے معاشرہ میں کتنی بدامنی پیدا ہوئی ہے۔ کتنی عورتیں بیوہ ہوئی ہیں۔ کتنوں کی خون پسینے کی کمائی لمحہ میں جا چکی ہے؛
حالانکہ اگر مجرم کو اس کے جرم کے مطابق پوری پوری سزا دی جائے تو اس سے خود مجرم کی بھی اصلاح ہوگی اور معاشرہ میں بھی امن و سکون آئے گا۔ جب مجرم کا جرم ثابت ہو گیا تو پھر سزا بھی ایسی دینی چاہیے جو بیک وقت مجرم کو بھی اپنے جرم سے روک سکے اور معاشرہ میں امن و سکون کے ساتھ ساتھ عبرت کا سامان بھی مہیا ہو سکے۔

جو فرد یا معاشرہ یا قانون مجرم کو سزا دینے وقت یہ پیش نظر رکھتا ہے کہ مہذب معاشرہ اس سزا کا متحمل ہے یا نہیں؟ تو وہ معاشرہ کا بہت بڑا دشمن ہے۔ کہ اس نے فرد کو پورے معاشرہ پر ترجیح دے دی ہے۔ اور ایک کو سزا سے بچانے کے لیے پوری قوم کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ اسی لیے ہر نئی حکومت اور ہر نیا مفکر و دانشور آئے دن قوانین میں تبدیلی کرتا ہے۔ اور اس میں کمی اضافہ کرتا ہے۔ لیکن وہ خود اپنی زندگی ہی میں اپنے بنائے ہوئے قانون کی ناکامی بھی دیکھتا اور اس کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ اور پھر مزید تراجم کا دور شروع ہوتا ہے۔ یوں قانون پر قانون بنتے ہیں۔ مگر معاشرہ کی اصلاح اسی تیزی سے مفقود ہوتی جاتی ہے۔ امریکہ، یورپ اور دنیا کے تمام لادینی ممالک اور ان کے قوانین پر ایک نظر دوڑایئے۔ اور ان ممالک میں سنگین ترین جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار بھی دیکھئے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ تمام قوانین نہ صرف یہ کہ ناقص ہیں بلکہ ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔

ہم دنیا بھر کے تمام مفکرین و دانشور سے گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے تمام قوانین کی ناکامی دیکھ لیں ہیں۔ آیئے ان قوانین کو کیوں نہ آزمائیں جو خالق کائنات نے بنائے ہیں۔ اور ان کے نفاذ سے مجرم اور معاشرہ دونوں کا بھلا ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ قوانین پہلے آزمائے جا چکے ہیں۔ اور جن لوگوں نے الٰہی قانون کو عملی شکل دی۔ انہوں نے سکون و اطمینان کی بہاریں بھی دیکھ لیں ہیں۔ آج بھی اگر اسکا کچھ نمونہ دیکھنا چاہیں تو سعودی عرب پر ایک نظر کریں۔ یہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور جو ممالک مہذب یافتہ ہونے کے مدعی ہیں۔ ان کی جرائم کی شرح بھی سامنے رکھئے۔ یہ حقیقت کھل جائے گی کہ الٰہی قوانین کے عملی نفاذ سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ قلب و نظر میں پاکیزگی آتی ہے۔ اور ہر ایک سکون و اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔

ہے کوئی جو اسے بھی پورے اخلاص کے ساتھ آزما کر دیکھے ——— وما علینا الا البلاغ

(بقیہ صد ۱۶ سے)

موضوع پر قلم اٹھایا، ان ساری بحثوں کو علوم قرآن ہی کے دامن میں جگہ ملنی چاہیئے، ایسے ہی اعدائے اسلام نے جو قرآن کے اوپر اعتراضات کئے ہیں اور علمائے اسلام نے ان کے مختلف زبانوں میں جوابات دیئے ہیں۔ یہ ساری بحثیں بھی علوم قرآن سے متعلق سمجھی جائیں گی، اس طرح علوم قرآن کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا

یہ علوم قرآن کے متعلق چند سطریں ہیں، اس کا مقصود اس موضوع پر لکھی گئی ساری کتابوں کا استقصار یا احاطہ نہیں ہے، اور یہ اس جیسے چھوٹے مضمون میں ممکن بھی نہیں، مقصد صرف یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ یہ علم ہم تک کن مراحل سے گذرتا ہوا پہنچا ہے اور علمائے اسلام نے اس ایک موضوع پر کس طرح کتابیں لکھی ہیں، اور امت اسلامیہ کبھی بھی ایسے علماء کرام سے خالی نہیں رہی ہے۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مکتوبِ فرانس

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، معروف سکالر، محقق، مصنف اور سراپا علم و دانش ہیں ان کے بعض آراء اور افکار (جو ہو سکتا ہے کہ ان کی طرف غلط منسوب ہوئے ہوں) سے اختلاف کی گنجائش کے باوجود ادارہ ان کی علمی عظمت، تحقیقی خدمات اور قرآن و سنت کے علوم و معارف کے سلسلہ میں ان کی مساعی کا معترف ہے ماہنامہ الحق ان کا ہمیشہ منظور نظر رہا۔ الحق کے مقالات، مضامین اور فنی امور بلکہ کتابت تک کی تصحیح پر ان کی نظر رہتی ہے ذیل کے مکاتبت زبان و بیان کی اصلاح سے متعلق ہیں نذرِ اشاعت ہیں تا کہ قارئین بھی حظِ وافر حاصل کر سکیں۔ (ادارہ)

(۱) مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

ماہِ صفر ۱۴۱۳ھ کا شمارہ الحق آپ کی عنایت سے ابھی ابھی ملا ممنون ہوا۔ گستاخی معاف ہو ایک چھوٹی سی چیز عرضِ طلب معلوم ہوئی۔

اس شمارے کے صفحہ ۶۲ پر "تفصیل آیات القرآن" پر تبصرے کے سلسلے میں اس کے مؤلفِ اصلی کا نام جول لابوم بتایا گیا ہے۔ عربی میں وہ "ژ" نہیں ہے جسے ہم (ژ) لکھتے ہیں۔ ہمارے عرب بھائی اسی کو (ج) لکھنا پسند کرتے ہیں۔ اگر ہم اس فرانسیسی مستشرق کا نام (ژِدل لابوم) لکھیں تو صحیح تر ہوگا، ورنہ اردو میں غلط فہمی پیدا کرے گا۔ اسے تبصرے میں، ذرا نیچے (ادوار موفتیہ) کا نام آیا ہے۔ اس نومسلم فرانسیسی کے نام کا تلفظ (اید وار مونتے ای) اصل سے قریب تر ہوگا۔ ناچیز محمد حمید اللہ ۱۸-۹-۱۹۹۲ء

(۲) مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ ابھی ابھی ایک خط محترم کے نام روانہ کیا۔ اس میں سہواً چھوٹی ہوئی باتوں کے لیے یہ تتمہ گزران رہا ہوں۔

موقر رسالہ الحق کے شمارۂ صفر ۱۴۱۳ھ کے صفحہ ۶۲ میں اگر یہ نظر آیا کہ بعض فرانسیسی ناموں کا اردو املاء مطابقِ اصل نہیں ہے تو صفحہ ۶۱ پر یہ نظر آیا کہ جرمن ناموں کا بھی یہی حال ہے۔ کشاف اصطلاحات الفنون کے ناشرِ اول کا نام سپرنگر لکھا ہے۔ یہ جرمن تھا اور کلکتہ میں انگریزی ملازمت میں کام کرتا تھا۔ اس نام کا

صیح تلفظ شیپر نگر ہوتا ہے (س سے نہیں، ش سے)

بہت دن ہوئے کراچی کے اخبار قومی زبان کے شمارہ ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۷۹ء میں یہ گزارش کی تھی کہ "ایک موتمر رسم الخط و اعراب کی ضرورت" ہے (کیونکہ ایک ہی غیر عربی آواز کو اردو میں ایک طرح لکھا جاتا ہے تو ایران میں، افغانستان میں، مصر میں، الجزائر میں عربی رسم الخط والی زبانوں ہی میں باہم اختلاف ہوتا ہے)۔ پھر بدرجۂ اتم قومی زبان (کراچی) ہی کے شمارۂ ۱۶ ر جون ۱۹۸۰ء میں "پاکستانی زبانوں کا رسم الخطی وفاق" کے عنوان سے مضمون لکھا یہ بھی یاد دلاتا چلوں کہ ۱۹۴۵ء میں جب میں نے "جدید قانون بین الممالک کا آغاز" نامی کتاب کا فرانسیسی سے اردو میں ترجمہ کیا، اور اس کتاب میں سینکڑوں فرنگی نام پائے گئے تو کتاب کے پیش لفظ میں فرنگی زبانوں کے متعلمہ ناموں کے لیے اردو میں املاء اور اعراب سے بحث کی۔ ایک مثال پر اکتفاء کرتا ہوں۔

انگریزی یعنی لاطینی خط میں حرف (J) لیجئے۔ اس کا تلفظ انگریزی میں (ج) ہوتا ہے، فرانسیسی میں (ژ)، جرمنی میں (ی)، اسپینی میں (خ)۔

تبارک اللہ احسن الخالقین سے

نیازمند

محمد حمید اللہ ۱۸-۹-۱۹۹۳ء

(بقیہ صفحہ ۴۳ سے)

اعتماد کیا۔ محمد بن تغلق نے ان کے بجائے غیر ملکیوں کو اقتدار میں شریک کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ جو زیادہ کامیاب نہیں ہوا۔ فیروز شاہ نے غلامی کے ادارے کے احیا کی کوشش کی مگر اس کے غلام ہندوستانی تھے اور ان کے پس منظر میں ترکی غلاموں جیسی تعلیم و تربیت نہیں تھی، اس لیے وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

ہندوستان میں ترکی غلاموں کے مستحکم ادارے کو بلبن نے ختم کیا اور بعد کے سیاسی حالات نے اس کو بالکل مٹا دیا لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان ترکی غلاموں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام و استحکام میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔

مولانا عبدالقیوم حقانی

اجتماعی زندگی اور اس کے تقاضے

نقطۂ نظر کے اختلاف کے باوجود (جو ایک بالکل فطری اور قدرتی چیز ہے) اجتماعی زندگی کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں جن کو ہمیں ہر نقطۂ اختلاف پر ملحوظ رکھنا اور پورا کرنا چاہیئے، یہ نہ صرف اسلام کی تعلیم اور شریعت کا حکم ہے، بلکہ فطرت سلیم اور انسانیت کی ان معروف و مسلم قدروں کا بھی مطالبہ ہے جن کو قرآن مجید میں "المعروف" سے بار بار تعبیر کیا گیا ہے، یعنی اچھائی کے ساتھ معقولیت و ہمدردی کے ساتھ، دستور کے مطابق۔

بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں یہ اوصاف ایک عرصہ سے مفقود ہوتے جا رہے ہیں، اگر ہم ان اوصاف کو دو مختصر لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اس کو اصول پسندی اور قوتِ برداشت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اسلام کی اجتماعی زندگی محض ظاہری رکھ رکھاؤ یا کسی ٹکنیک کا نام نہیں، اس میں ایک طرف اجتماعی فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے اور قوت برداشت سے کام لینے کی بھی تلقین ہے۔

سورۂ والعصر میں اسی حقیقت کو بہت آشکار اور واضح طریقہ پر بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والعصر ان الانسان لفی خسر	قسم ہے زمانہ کی، بے شک انسان خسارہ میں ہیں سوائے
الا الذین امنوا وعملوا الصالحات	ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور ایک دوسرے
وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر	کو وصیت کی حق بات کی اور ایک دوسرے کی وصیت کی صبر کی۔

صبر ایک بہت وسیع لفظ ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ اور حقوق العباد سے بھی، اس کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہوتا ہے، معصیت سے باز رہنا اور نفس کی لگام کو قابو میں رکھنا بھی صبر ہے، کڑوی بات سن لینا، یا اپنی بات نیچی کر لینا بھی صبر ہے، نکتہ چینی اور عیب جوئی سے پرہیز بھی صبر ہے۔ اپنے مزاج اور عادات کے خلاف کرنا بھی صبر ہے۔ غرض صبر کے ہزار پہلو ہیں اور ہر شخص ذرا سی توجہ سے یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس کو کس موقع پر کس قسم کے صبر کی ضرورت ہے۔ اجتماعی زندگی اور خاص طور پر ملت کی فلاح و بہبود اسلام کی خدمت و حمایت اور انسانی ہمدردی کے کاموں میں صبر اور قوت برداشت کی جس قدر ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے لیکن گھر اور محلہ کی محدود اجتماعی

زندگی کے نشیب و فراز اور اس کی دشواریوں اور الجھنوں کو سامنے رکھ کر بھی ہر شخص کسی نہ کسی درجہ میں اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اجتماعی یا جماعتی زندگی کے ان پیچیدہ مسائل میں ہمارا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ کیا ہونا چاہیئے۔

ہم میں سے ہر شخص مخصوص جذبات و خیالات رکھتا ہے، نہ صرف اس کا طرز فکر اور مزاج بلکہ طرز کلام اور طرز نشست و برخاست بھی ایک دوسرے سے جُدا ہے، جب یہ ایک طے شدہ حقیقت اور قانون قدرت ہے تو ہمیں اوّل روز سے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اس وادی میں قدم رکھنے کے بعد یہ اختلاف قدم قدم پر رونما ہوگا اور اس سے واسطہ بار بار پیش آئے گا۔

اس صبر اور قوت برداشت کی حد بھی اسلام نے مقرر کر دی ہے، مصالحت و تعاون، اور صبر و تحمل و ضبط کن جگہوں پر جائز ہے اور کن جگہوں پر ناجائز، وہ دائرہ کیا ہے جس میں ہم کو اپنے مسلک یا اپنے موقف سے سر مو انحراف نہ کرنا چاہیئے، ہمیں کس جگہ جمنا چاہیئے اور کس جگہ نہ جمنا چاہیئے، ان سب چیزوں کے لئے تواصوا بالحق کی روشنی قرآن مجید نے ہمارے ہاتھ میں دے دی ہے، جہاں حق و صداقت، اصول، و مبادی و بنیادی حقیقتوں اور سچائیوں کے مجروح ہونے کا خطرہ ہو، وہاں اپنے مؤقف پر اس طرح ثابت قدم رہنا چاہیئے کہ کوئی دباؤ یا ترغیب یا فریب ہم کو متزلزل نہ کر سکے، لیکن اگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس اختلاف کے نتیجہ میں یہ بنیادی اصول و حقائق نہیں بلکہ ملّت کا مفاد مجروح ہونے کا خطرہ ہے تو ہمیں اپنے مؤقف اور طرز عمل کو بدلنے میں ادنےٰ تردد بھی نہ ہونا چاہیئے، خواہ اس سے خود ہمارا مفاد مجروح ہو رہا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور واقعہ اس مسئلہ میں ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔ حضرت علیؓ اس وقت تک یہودی پر حملہ آور رہے جب تک ان کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ حق کے لیے لڑ رہے ہیں لیکن جب اس نے ان کے منہ پر تھوک دیا تو قدرتی طور پر ان کو بہت غصہ آیا، لیکن اسی غصہ سے ان کو یہ احساس ہوا کہ اب وہ اس کو قتل کریں گے تو اپنے نفس کے لیے کریں گے، چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر اس کو چھوڑ دیا کہ پہلے میں حق کے لیئے انتقام لے رہا تھا، لیکن اگر اب میں انتقام لوں گا تو وہ نفس کے لیے ہوگا، اس لیے میں تجھ کو چھوڑتا ہوں، حق اور نفس کی یہ سرحدیں یا لکیریں ہمیں اپنے اجتماعی کاموں میں بارہا ملتی اور گڈمڈ ہوتی نظر آئیں گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فاصل حدیں یا لکیریں خلط ملط نہیں ہوتیں بلکہ فراست ایمانی کی کمی کی وجہ سے ہم اس حدفاصل کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے۔

اگر ہم محض اس آیت کو مد نظر رکھیں اور اس کو اپنی زندگی اور جدوجہد کا شعار بنالیں۔

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم ۔	ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بہتر سمجھو اور وہ تمہارے لیے بری ہو۔

تو ہمارے معمولی گھریلو مسئلوں اور روزمرہ کے معاملات سے لے کر بڑے بڑے اختلافی اور سیاسی مسائل خوش اسلوبی سے حل ہو سکتے ہیں ۔

اختلاف اسی وقت بری شکل اختیار کرتا ہے جب اغراض سے اغراض ٹکراتی ہیں ، اگر اغراض کا یہ حصہ اس سے نکال دیا جائے تو ان سارے اختلافات کا خود خاتمہ ہوجائے گا جو ملت اسلامیہ کو گھن کی طرح کھائے جارہے ہیں ۔ اور اس کی اصلاح اور پیش رفت میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں ۔

دوسروں کی خوبیوں کو پہچاننا ایک فن ہے اور ان کا کشادہ دلی سے اعتراف کرنا اس سے بڑا فن ، عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد ہمیں اس فن پر ریاضت کی ضرورت ہے تاکہ تعاون کی راہیں ہموار ہوسکیں اس میں شک نہیں کہ اس وقت پورا عالم اسلام ان اختلافات کا شکار ہے لیکن ہندوستان کی وہ مظلوم ملت جو مشترکہ مفاد میں اس طرح جکڑی ہوئی ہے کہ اس میں تفریق کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ، جہاں سب جماعتیں اور ادارے اخبار اور رسالے ایک کشتی کے سوار ہیں اور سب کو ایک لاٹھی سے ہانکا جارہا ہے ، جہاں دینی وسیاسی قیادتوں کو مشترکہ مسائل کا سامنا ہے اور جہاں نئی اور تازہ دم قیادت اور ملت کو نئی راہوں اور نئی منزلوں سے روشناس کرنے کی دعوت بے حد قوت برداشت استقامت اور فراخدلی چاہتی ہے وہاں انفرادی و شخصی اختلافات اور ذوق ومزاج کے فرق نیز مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کو ساتھ لے کر کام کرنے کا فقدان ، مختلف صلاحیتوں اور قابلیتوں کے افراد کا عدم اتحاد وقتی اور جذباتی مسئلوں پر انتہائی پسندی ، اپنی رائے اپنے فیصلہ بلکہ اپنی خواہش ، اپنے ذوق اور اپنے مزاج پر ضرورت سے زائد اعتماد ، دوسروں کی رائے کو نظر انداز کرنے ، یا ناقابل التفات سمجھنے کا رویہ ، اور اپنے نقطۂ نظر کو پتھر کی لکیر سمجھنا ہماری اجتماعی زندگی کی وہ کمزوریاں ہیں جو آج روز روشن کی طرح عیاں ہیں ، اور ان سے ملت کے اہم ترین کاموں کو سخت نقصان پہونچ رہا ہے ۔

یہ وہ مرض ہے جس میں کم وبیش ہم سب مبتلا ہیں ، ہم سب تحت الشعور ہیں ، یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت کی آخری تصویر اور مسئلہ کی اصل گرہ ہمارے ہاتھ میں ہے ۔ اور دوسرا اس مسئلہ کو ہم سے بہتر سمجھنے یا اس معاملہ میں ہم سے اچھی رائے رکھنے سے قاصر ہے اور یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کو ہمیشہ نقصان پہنچایا ہے ۔

(بقیہ صفحہ ۵۵ پر)

ایگل
ایک عالمگیر قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سنید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

قومی خدمت ایک عبادت ہے
اور
سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے
Servis
قدم بڑھاؤ حسین قدم قدم آگے

افکار و تاثرات

- پرائمری نظام تعلیم ایک امریکی سازش
- افغان بچے
- فوجیوں، بھوتوں یا انسانوں کی جنت
- مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی آپ بیتی

پرائمری نظام تعلیم ایک امریکی سازش

ہماری روایت صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں سب سے پہلے اذان کے مقدس کلمات اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ پھر جب بچہ آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے۔ تو اُسے کلمہ طیبہ اور نماز وغیرہ حفظ کرانے پر توجہ دی جاتی ہے۔ اور جب بچہ پانچ سال کی عمر تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اکثر والدین اپنے بچوں کو پرائمری سکول میں اس غرض سے داخل کر دیتے ہیں۔ کہ وہاں جا کر وہ اسلام کے انتہائی ضروری عقائد اور احکام کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت، ایمان مفصل، ایمان مجمل، شش کلمے، نماز، نماز جنازہ، آیت الکرسی اور قرآنی سورتوں سے واقفیت حاصل کر لے گا۔ جن کے ذریعے اُس کا عقیدہ اور ایمان راسخ ہو جاتے ہیں۔

ہماری روایت یہ بھی رہی ہے۔ کہ جس زمانے میں پرائمری مدارس میں معلمین دینیات نہیں ہوا کرتے تھے۔ تو عوام چندہ اکٹھا کر کے معقول معاوضے کے عوض پرائمری مدارس میں بچوں کی دینی اور اخلاقی ترقی اور تربیت کے لیے معلم دینیات کا از خود بندوبست کر لیتے تھے۔ بعد میں سرکار کی طرف سے ۲۵ روپے ماہوار، پھر سو روپے ماہوار اور آخر میں گریڈڈ سکیلز کے ذریعے پرائمری مدارس میں معلمین دینیات کی آسامیاں دی گئیں۔

ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ صوبہ سرحد میں پرائمری تعلیم کو براہ راست امریکی پراجیکٹ کی تحویل میں دے دی گئی۔ اور گذشتہ چند سالوں سے ہماری پرائمری تعلیم یو۔ ایس ایڈ اور امریکی مشیروں کی نگرانی میں چلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ

امریکی سرکار کی ایما پر ہماری دینی اساس پر سب سے پہلا وار یہ کیا گیا۔ کہ اب پرائمری مدارس سے معلم دینیات کی آسامیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ اور پرائمری سکولوں میں پڑھانے والے معلمین دینیات کو مڈل اور ہائی سکولوں میں کھپا دیا گیا ہے۔ جو کہ ایک عظیم قومی المیہ ہے۔ جس کے پیچھے یہودی لابی، امریکی سرکار اور پاکستان کے امریکہ پرست حکمرانوں کی سازش کارفرما ہے۔۔ اور جس کا مقصد ہمارے بچوں کو دینی تعلیم سے بے بہرہ رکھ کر ان کے سینوں میں عظیم اسلامی روایات اور قرآن و سنت کی تعلیمات کی بجائے کفر و الحاد اور لادینی نظریات کی تخم ریزی کرنا ہے۔ ہمارے حکمران جو امریکہ کی ہر ادا پر وارے نیارے ہوا کرتے ہیں۔ جو امریکہ کی خوشنودی

حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لینے میں کبھی تساہل سے کام نہیں لیتے ۔ اور جن کا مقصد ہر قیمت پر امریکی ڈالروں کا حصول ہے ۔ خواہ اس کے لیے انہیں دین و ایمان کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے ۔ اس سازش میں کے شریک ہیں ۔ ہم اس اقدام کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آئندہ کی نسل کے پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف سمجھتے ہیں ۔ اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں ۔ ہم اس امریکی امداد پر بھی لعنت بھیجتے ہیں ۔ جو ہم سے اور ہماری آئندہ کی نسلوں سے ہمارا دینی اثاثہ چھیننے کے درپے آزاد ہیں ۔ (محمد عبدالرزاق ملاکنڈ ایجنسی)

افغان بچے

سابق سوویت یونین کی مختلف ریاستوں سے افغانی نوجوانوں کا ایک گروپ جن کی عمر ۱۵ اور ۲۰ سال کے درمیان ہیں کابل پہنچا ہے ۔ ان کی تعداد ۲ ہزار کے لگ بھگ ہے ۔ درحقیقت یہ وہ نوجوان ہیں جن کو چار یا پانچ سال کی عمر ہی میں ببرک کارمل اور نجیب اللہ نے افغانستان سے روس روانہ کر دیا تھا تاکہ روس میں ان کی مکمل "برین واشنگ" ہو سکے اور آئندہ کے لیے یہی بچے کمیونسٹ حکومت کے دست و بازو بن کر ابھر سکیں ۔ یہ بچے صرف روسی زبان ہی بولتے ہیں یا پھر فارسی اور وہ بھی روسی لب و لہجہ میں ۔

فوجیوں، بھوتوں یا انسانوں کی جنت

واشنگٹن (مانیٹرنگ ڈیسک) بھارت کے زیر قبضہ ریاست جموں و کشمیر میں بھارت کے لاکھوں فوجی تعینات ہیں ۔ بھارت نے انہیں مسلمان حریت پسندوں سے لڑنے کے لیے یہاں تعینات کر رکھا ہے ۔ یہ حریت پسند ریاست جموں و کشمیر کا بھارت سے الحاق ختم کر کے اسے پاکستان میں شامل کرنا چاہتے ہیں یا پھر اسے ایک آزاد ملک بنانا چاہتے ہیں ۔ وائس آف امریکہ نے ۱۸ اگست کو وادی کشمیر کے بارے میں اپنی ایک دردناک رپورٹ میں کہا کہ وادی کشمیر کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ "اگر دنیا میں کہیں جنت ہے تو یہیں ہے" اسی لیے اسے سیاحوں کی جنت بھی کہا جاتا تھا ۔ کیا اب کشمیر سیاحوں کی جنت ہے ؟ فوجیوں کی یا پھر بھوتوں کی ؟ اس کا فیصلہ شاید ان چند واقعات سے کیا جا سکتا ہے جو کشمیر کا دورہ کرنے والے سیاحوں نے بتائے ہیں ۔ وائس آف امریکہ کے مطابق برطانوی یونیورسٹی کے دو طالبعلموں ایڈم جالٹاسکی اور اس کے ساتھی شمعون ولکنسن نے بتایا ہے کہ سرینگر سے باہر نگین جھیل پر وہ ایک بجرے میں سوئے ہوئے تھے ۔ دن بھر کی کشتی رانی اور سیر و تفریح کے بعد وہ بے سدھ سو رہے تھے کہ خود کار رائفلوں سے مسلح فوجی کرایہ پر لی ہوئی اس ہاؤس بوٹ (بجرے) میں چڑھ آئے ۔ جالٹاسکی کا کہنا ہے کہ انہیں ایسا لگا کہ جیسے لڑکے رات کو سیر سپاٹے کے لیے نکلے ہوں لیکن جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے وہ ایک قد آدم آئینے کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور اپنی وردیاں ٹھیک کرتے ہوئے ایک دوسرے سے جھگڑتے رہے ، قہقہے لگاتے رہے لیکن قریب کی ایک اور کشتی پر جہاں بھارتی فوجیوں نے شب خون مارا تھا حالات ایسے

نہیں تھے وہاں فوجیوں نے کشتی کے مالک سے کہا کہ وہ مسلمانوں حریت پسندوں کو تلاش کر رہے ہیں تلاشی لیتے ہوئے انہوں نے ہاؤس بوٹ کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں دروازے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے فرنیچر الٹ پلٹ کر دیا اور کشتی میں مقیم سیاحوں کے زیورات، ٹیپ ریکارڈرز اور ایک کیلکولیٹر چرا لیا کشمیر میں درندہ صفت بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں سیاحوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے اور خود شہریوں میں فوج خوف و دہشت پھیلانے کے لیے کچھ بدروحوں کے حربے استعمال کر رہی ہے۔ سنا گیا ہے کہ سرینگر کے مختلف مقامات پر ایک سایہ گھومتا رہتا ہے کبھی کبھی یہ سایہ گھروں میں داخل ہو جاتا ہے اور گھروں کے مکینوں پر اپنی لمبی لمبی انگلیوں کے لوہے کے ناخنوں سے خراشیں ڈال دیتا ہے۔ یوں توہم پرست لوگوں کے ہوش و حواس جلتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ قیاس یہ ہے کہ رات کو جب کسی کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے تو وہ اس بھوت کے خوف سے دروازہ نہیں کھولتے۔ اس سے پہلے دروازہ کھٹکھٹانے پر حریت پسندوں کو فوراً پناہ مل جاتی تھی۔ اس طرح بھارتی فوج نے مسلمان حریت پسندوں کو شہریوں کی جانب سے پناہ ملنا ناممکن بنا دیا ہے اور وہ انہیں یا تو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیتی ہے یا پھر گرفتار کر کے ٹارچر سیلوں میں پہنچا دیتی ہے۔ (وائس آف امریکہ کی رپورٹ)

مولانا احتشام الحق تھانوی کی آپ بیتی

مولانا احتشام الحق تھانوی کی یہ آپ بیتی ۱۹۶۹ء/۱۹۷۰ء کی تحریک جمہوریت پاکستان کے زمانے کی آپ بیتی اور اسلام پسندوں کے قافلہ اتحادِ اسلامی کے انتشار اور اس کے پس منظر کی چشم دید بیانیہ ہے جسے مولانا تھانوی کی زبانی ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری نے مرتب کیا ہے۔ مولانا تھانوی مرحوم نے اس کا نام "اسلام پسندوں کے انتشار میں جماعت اسلامی کا حصہ" رکھا تھا، لیکن مرتب نے اسے "مولانا احتشام الحق تھانوی کی آپ بیتی...... تحریکِ جمہوریتِ پاکستان کا ایک باب" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ چند "ضمیمہ جات" پر مشتمل ہے جسے شاہد حسین خان نے مرتب کیا ہے۔ اس میں تحریکِ پاکستان کے زمانے سے لے کر بعد تک جماعت اسلامی کے سیاسی افکار کو مرتب کر دیا گیا ہے اور جماعت اسلامی کے سیاسی و مذہبی افکار و عقائد اور کردار کے ان پہلوؤں کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔ جن کی طرف مولانا تھانوی نے اپنی آپ بیتی میں اشارہ کیا تھا۔

یہ کتاب مولانا احتشام الحق تھانوی اکادمی کراچی نے شائع کی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۔۔۔ سے)

دوسروں کے احتساب سے پہلے اپنا احتساب اجتماعی زندگی کے ان تقاضوں کی تکمیل کا سبب سے پہلا قدم ہے جو ہم سے پامال ہوتے رہتے ہیں۔ یہ محض اجتماعی کام کرنے والوں کے لیے نہیں بلکہ ہر مومن کے لیے ضروری ہے اور عین اسلام و ایمان کا تقاضا ہے۔
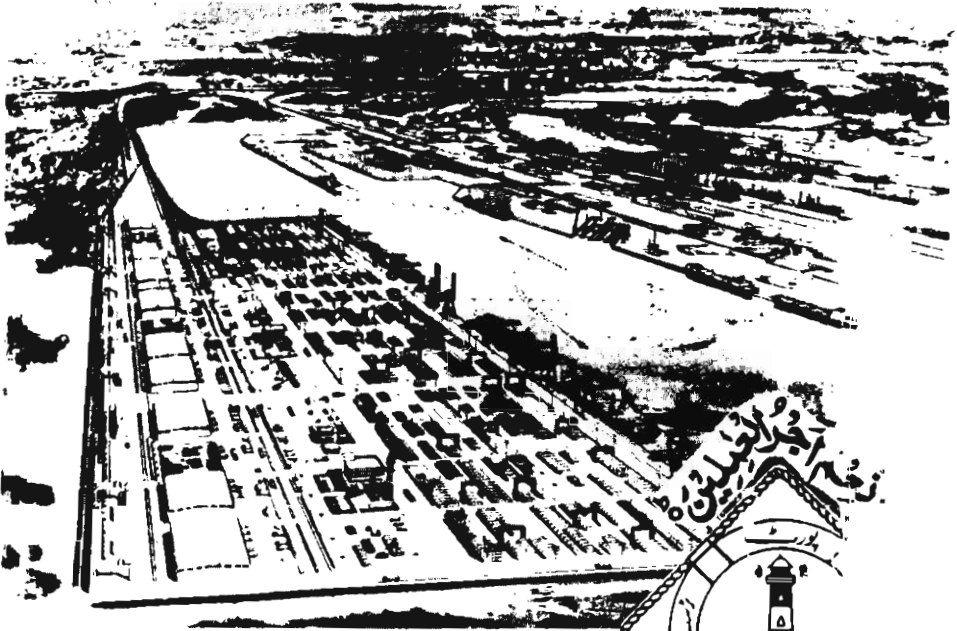
غیبت اور چغلی —

غیبت زنا سے زیادہ بری چیز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سُود کے ستر باب ہیں سب سے سہل اور آسان باب یہ ہے کہ اس نے اسلام کی حالت میں اپنی ماں سے زنا کیا اور سُود کا ایک پیسہ ۳۵ زنا سے بدتر ہے اور کسی مسلمان کی بے عزتی کرنا (غیبت کرنا) ان سب گناہوں سے بدتر ہے۔ (اسلامی تعلیم صـ۸۲ مفہوم)

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یہ غیبت کا گناہ زنا سے سخت کیسے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں مگر غیبت کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ جس کی غیبت کی ہے وہ معاف کردے۔ (بیہقی)

ف : یعنی غیبت کرنے والے کو اس بات کی توفیق نہیں ہوتی کہ جس کی غیبت کی ہے، اس سے معافی مانگے۔ اس کے برخلاف زنا کرنے والا اپنے گناہ کو گناہ سمجھتا ہے لہٰذا اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ واللہ علم

غیبت ایمان کو ختم کر دیتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت اور چغلی دونوں ایمان کو کاٹ دیتے ہیں جس طرح چرواہا درخت کو کاٹ دیتا ہے۔ (ترغیب اصبہانی)

غیبت نیکیوں کو ختم کر دیتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بروزِ قیامت انسان کو اس کا کھلا ہوا نامۂ اعمال دیا جائے گا جس میں کوئی نیکی نہ ہوگی وہ کہے گا کہ میری فلاں فلاں نیکی کہاں گئی جو میں نے کی تھیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیری غیبتوں کی وجہ سے تیری نیکیاں مٹادی گئی ہیں۔ (ایضاً)

ف : اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی تو نے غیبت کی ہے اس کے بدلے میں آج تیری نیکیاں اُسے دے دی گئیں اور اس طرح دیتے دیتے تیری نیکیاں ختم ہو گئیں بلکہ دوسرے حقداروں کے گناہوں کا بوجھ لے کر یہ شخص جہنم رسید کر دیا جائے گا ایسے شخص کو مفلس کہا جاتا ہے جو نیکیوں کا ڈھیر بروزِ قیامت لے کر آئے اور وہ دوسروں میں تقسیم کر دی جائیں۔

حضرت امام اعظم کا واقعہ جب کوئی شخص حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آکر یہ کہتا کہ فلاں فلاں آپ کی بُرائی بیان کر رہے ہیں تو فرماتے: کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں ان کا جواب دے کر اُن کی غیبت کروں؟ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ غیبت کروں تو میری ماں کی غیبت کروں، کیونکہ غیبت کرنے کی وجہ سے میری نیکیاں میری ماں کو ملیں گی میں دوسروں کو میری نیکیاں کیوں دوں۔

حضرت خواجہ بصریؒ کا واقعہ حضرت خواجہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب معلوم ہوتا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو تھالے میں چھوارے تحفہ کے طور پر بھیجتے اور

کہلواتے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں جمع کروا دی ہیں لہٰذا یہ تحفہ قبول فرمالیں ...... اگر اس سے اچھا تحفہ پیش کرنے کے لیے ہوتا تو وہ پیش کرتا۔

چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمّام یعنی چغل خور جو اِدھر کی اُدھر لگاتا ہے، جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(متفق علیہ از دوزخ کا کھٹکا صـ۱۲۲)

ف :۔ چغل خوری اور غیبت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے مسلمان کی ذلت اور رسوائی مقصود ہوتی ہے اس سے قطع رحمی، گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔

❁ قطع رحمی کے بارے میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے تین روز تک بات چیت بند کر دے اور اسی حالت میں موت آجائے تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسے لوگوں کی نہ شب برآت میں نہ شب قدر میں دعا قبول ہوتی ہے۔

❁ گالی گلوچ کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتے ہیں پھر ان کی عزت کا دنیا و آخرت میں جنازہ نکل جاتا ہے۔ مسلمان کو تیز نگاہ سے دیکھنا بھی حرام ہے چہ جائیکہ گالی گلوچ کرے۔

(دیکھئے میرا مضمون مومن کی عظمت اور مقام)

❁ مسلمانوں کا آپس میں لڑائی جھگڑا اتنا بُرا ہے کہ اس کی نحوست سے ہمیشہ کیلئے شب قدر کی تعین سے محروم کر دیئے گئے جس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

عیب لگانیوالوں کا حشر کتوں کی صورت میں ہوگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بے عیب کو عیب لگانے والے اور چغل خوری کے لیے چلنے پھرنے والے، ان دونوں جماعتوں کا حشر کتوں کی صورت میں ہوگا۔

(ابو الشیخ از دوزخ کا کھٹکا صـ۱۲۳)

نوٹ : اس طرح کی اور بھی روایات اور وعیدیں ہیں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے بچنے کی توفیق بخشے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ۔ (اے میرے اللہ! ہمیں اور اُسے (جس کی غیبت کی ہے) بخش دے۔ آمین ثم آمین

اگر کسی مسلمان کی غیبت ہو چکی ہو اور وہ بقید حیات ہے تو جا کر معافی مانگ لے۔ اور اس کی تعریف کے کلمات کہتا رہے۔ اگر وہ وفات پا چکا تو اپنے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے اور نیکی کر کے بخشتا رہے (انشاء اللہ تعالیٰ) اُمید ہے کہ معاف ہو جائے۔ اس کے رشتہ داروں سے مل جل کر مرحوم

کے بارے میں کلمات خیر کہے اور معافی مانگ لے ورنہ حشر کا معاملہ نہایت سخت ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا غیبت کا بدلہ نیکیوں سے دلوایا جائے گا۔

رَبِّ لَا تُخْزِنِی یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ اے میرے رب! مجھے حشر کے دن رُسوا نہ کیجیو۔ آمین

پیشاب سے نہ بچنا یہ یہود و نصاریٰ کا شیوہ ہے۔ یہ بدبخت قوم کھڑے ہو کر پیشاب کرتی ہے۔ اور پاخانہ میں کاغذ استعمال کرتی ہے۔ ان کے ساتھ رہ کر مسلمان بھی ناپاکی کی زندگی گزارتا ہے بلکہ بے شمار مسلمان ایسے ہیں جن کو طہارت کے ادنیٰ مسئلہ کا بھی پتہ نہیں خصوصاً فرنگی اسکولوں اور کالجوں میں جانے والے مسلمان بچوں کا معاملہ بہت خطرناک ہو چکا ہے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ یہ بچے مسجدوں اور مدرسوں کے بیت الخلاء میں کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں اور بلا پاکی حاصل کئے قرآن کریم اور دینیات پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان بچے جب مدرسوں سے فارغ ہوتے ہیں تو دین پر قائم و دائم نہیں رہتے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

مضمون کے شروع میں جو حدیث شریف گذری اس میں صاف صاف ذکر ہے کہ غیبت کرنے والے اور پیشاب سے احتیاط نہ کرنے والے کو عذاب قبر ہو رہا تھا ایک اور واقعہ بھی پڑھ سُن لیجئے۔ شاید ہمیں خوف نصیب ہو اور ہم احتیاط کرنے والے بن جائیں۔ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ ہر وقت پاک اور باوضو رہے، اسلام کی تعلیم تو یہاں تک ہے کہ صحبت کے بعد فوراً غسل کر کے پاک ہو جائے یا کم از کم تیمم ہی کر کے پاکی حاصل کر لے۔

ایک عبرتناک واقعہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سفر میں ایک بڑھیا کے مکان پہ قیام کیا جب رات کا کچھ حصہ گذرا تو مکان کے باہر نہایت خوفناک لہجہ میں یہ آواز سُنی: "پیشاب! ارے پیشاب" ! یہ پیشاب کیا چیز ہے؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خوفزدہ ہو کر بڑھیا سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ بڑھیا نے بتایا کہ یہ میرے شوہر کی آواز ہے جو اس کی قبر سے آرہی ہے اس کی عادت یہ تھی کہ جب پیشاب کرتا تو اس سے ذرا بھی احتیاط نہ کرتا تھا اور کبھی بھی اس کو پاک نہ کرتا تھا بلکہ جب میں اس کو نصیحت کرتی تو میری باتوں کا مذاق کیا کرتا تھا جس روز سے وہ دفن ہوا ہے اسی طرح اس کی قبر سے یہی آواز آرہی ہے۔ (اللّٰھم احفظنا)

(ماہنامہ ندائے شاہی)

اس واقعہ اور مندرجہ بالا احادیث سے (خصوصاً مغربی ممالک میں بسنے والے) مسلمانوں کو خوب عبرت لینی چاہیئے جہاں پاکی ناپاکی کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔

شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ، جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں سہ ماہی امتحانات کے نتائج اور تقسیم انعامات کے سلسلہ میں تقریب منعقد ہوئی مولانا سمیع الحق، سفر پر تھے دارالعلوم کے نائب مہتمم مولانا انوارالحق نے صدارت کی دارالعلوم کے مشائخ، اساتذہ اور طلبہ کے والدین اور معززین نے شرکت کی مولانا انوارالحق نے اپنے مختصر خطاب، امتحان کی اہمیت ضرورت اور کامیاب و ناکام ہونے والے طلبہ کو نصائح سے نوازا۔

تمام درجات میں اول دوم اور سوم آنے والوں کو تفسیر عثمانی اور ان کی علمی قابلیت کے مناسب کتابیں انعام میں دی گئیں جب کہ دورۂ حدیث میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو انعام میں کتابوں کے علاوہ نقد رقم بھی دی گئی۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید نے انعامات تقسیم کئے اپنے اپنے درجات میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کے نام درج ذیل ہیں۔

درجہ	اول	دوم	سوم
درجہ تخصص	اول مولوی محمد عقیل سواتی ،	دوم مولوی مختار اللہ ،	سوم مولوی فضل خالق
درجہ عالمیہ	〃 〃 شمس الرحمان افغانی	〃 〃 محمد نور الوہاب	〃 〃 محمد حسن
درجہ موقوف علیہ	〃 〃 عبدالولی	〃 〃 عبدالغنی	〃 〃 عبدالحکیم
درجہ تکمیل	〃 〃 رشید احمد و نصیر احمد	〃 〃 نصیر احمد	〃 〃 نور علی
درجہ سادسہ	〃 〃 حمید اللہ	〃 〃 محمد ترکستانی	〃 〃 خان آغا
درجہ خامسہ	〃 〃 ولی الرحمٰن	〃 〃 احتشام الحق	〃 〃 عتیق الرحمان
درجہ رابعہ	〃 〃 حافظ شاکر اللہ	〃 〃 گل تاثیر	〃 〃 سید علی شاہ
درجہ ثالثہ	〃 〃 محمد سلیم سواتی	〃 〃 محمد وہاب سواتی	〃 〃 نثار محمد چارسدوی
درجہ ثانیہ	〃 〃 عطاء اللہ مروت	〃 〃 رفیق احمد	〃 〃 مہر اللہ
درجہ اولیٰ	〃 〃 شاہد عالم	〃 〃 شمس الحق	〃 〃 محمد طارق
درجہ حفظ و قرأت	〃 〃 کلیم اللہ	〃 〃 معلم احمد	〃 〃 ضیاء الرحمان

تاجکستانی طلبہ

تاجکستانی طلبہ کیلئے ان ہی کی زبان میں علیحدہ تدریس کا اہتمام کیا گیا ہے لہٰذا ان کا امتحان بھی علیحدہ لیا گیا۔

درجہ	اول	دوم	سوم
درجہ اولیٰ	اول مولوی عبدالستار	دوم مولوی میرزا ولی	سوم مولوی عبید اللہ
درجہ ثانیہ	〃 〃 محمد طاہر	〃 〃 مدثر	〃 〃 محمد عمر

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرۂ کتب

ماہنامہ ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر

مرتب مولانا محمد سلمان منصور پوری ضخامت ۶۴۸
ناشر! مرکز العلوم الاسلامیہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ہند

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد ظلم و ضلالت کے تیز و تند طوفانوں اور الحاد و دھریت کے امنڈتے سیلابوں سے مقابلہ کے لیے جو ادارے قائم کیے گئے تھے دار العلوم دیو بند، مظاہر العلوم سہارنپور اور ندوۃ العلماء کے بعد مدرسہ شاہی مراد آباد ان میں سر فہرست ہے قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس کی بنیاد ڈالی اکابر دار العلوم نے اپنی سرپرستی کے ذریعہ اس کو پروان بخشا نصاب تعلیم، طرز تدریس اور مسلک و مشرب میں یہ ادارہ ہمیشہ دار العلوم دیو بند سے ہم آہنگ رہا علوم نبوت کی ترویج و اشاعت اور رجال کار کی تربیت میں اس درس گاہ کا نمایاں کردار رہا ہے اس کے دامن فیض سے وابستگی والوں میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ مولانا حافظ محمد احمدؒ مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ مولانا مفتی محمودؒ جیسی عبقری شخصیات شامل ہیں۔

حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی مدظلہ کی سرپرستی و رہنمائی میں جواں سال فاضل مولانا محمد سلمان منصور پوری نے اس ادارے کی تاریخ پر ماہنامہ ندائے شاہی کا خصوصی نمبر مرتب کیا ہے نمبر کیا ہے ۶۴۸ صفحات میں برصغیر کی گویا ایک تاریخی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں منصف اصحاب قلم نے علماء حق کے تاریخی کردار کو نمایاں کیا ہے اس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مدرسہ شاہی مراد آباد نے اب تک امت کو کیا دیا ہے اور امت نے کیا لیا ہے اور ایک دینی مدرسہ کا کردار کیوں ضروری اور کتنا اہم ہے کسی نمبر کی تدوین و ترتیب کا کام کیسے ہوتا ہے اس سے وہی واقف ہیں جو اس راستے کے راہی ہیں حضرت مولانا رشید الدین اور مولانا محمد سلمان منصور پوری پوری ملت کی طرف سے ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک عظیم تاریخی دستاویز امت کے حوالے کر دی ہے۔

درس قرآن جلد ۲۲ و ۲۳

افادات! حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ صفحات جلد ۲۲، ۲۸۸ جلد ۲۳، ۲۸۰
قیمت فی جلد ۷۰ روپے،

ناشر! دار الارشاد، مدنی روڈ اٹک شہر

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ عالم باعمل ہیں اقامت صلوٰۃ تعلق باللہ اشاعت قرآن، ترجمہ و تفسیر اور خشیت و تقویٰ کے وہ اس دور میں بہت بڑے داعی ہیں اللہ کے فضل سے اس دعوت کا ان کی زندگی اور ان کی اولاد

مسترشدین کی زندگی میں نمونہ بھی ہے وہ دعائے نیم شبی اور آہ سحر گاہی کی لذت سے بھی واقف ہیں اور رات کی تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور آنسوؤں کے نذرانے بھی پیش کرتے ہیں حضرت قاضی صاحب موصوف کا یہ سلسلہ درس قرآن ان کے دینی اخلاص، تزکیہ نفس، تجربہ ومشاہدہ، علمی تبحر اور قرآن و حدیث ہی کے ذریعہ اصلاح امت کی پر خلوص کوشش کا منہ بولتا ثبوت ہے درس قرآن بظاہر حضرت قاضی صاحب کی رواں تقریر اور ایک مسلسل وعظ ہے مگر اس میں عقائد و ایمانیات توحید، عقیدۂ آخرت رسالت، عملی شریعت، اخلاق حسنہ، معاملات اور معاشرت، احسان و تصوف سلف صالحین کے واقعات اور اولیاء اللہ کے ایمان افروز تذکرے ہیں فاضل مدرس و مترجم قرآن کا انداز بیان بڑا شیریں اور دلنشین ہے از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت جگہ جگہ محسوس ہوتی ہے عام مسلمانوں کی ان دنوں جو دینی حالت اور زندگی کے احوال ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر یہ درس دیئے گئے ہیں آیات کا ترجمہ بھی خوب ہے اور انکی تشریح و تفسیر خوب تر،

اگر ابھی تک ہمارے قارئین اس مفید اور نافع ترین سلسلہ درس قرآن سے محروم ہوں تو پہلی فرصت میں استفادہ اور مطالعہ کر کے صفائے باطن اور صراط مستقیم پر چلنے کا اہتمام کرنا چاہیئے اس ہوشربا گرانی میں قیمت بھی واجبی ہے۔

مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں

افادات : ابو عمار مولانا زاہد الراشدی مدظلہ صفحات ۷۸
قیمت ۲۰ روپیہ۔

ناشر : الشریعہ اکیڈمی۔ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ جید عالم، خطیب، کامیاب مدرس اور منجھے ہوئے سیاستدان بھی ہیں علمی و دینی حلقوں میں وہ ایک منتظم سیاسی شخصیت میں ابھرے اور متعارف ہوئے مگر بالآخر مروجہ لادینی سیاست کو بھاری پتھر سمجھ کر چھوڑ دیا اور خدا کرے کہ واقعۃً بھی وہ اس عزم کو نبھا سکیں اب وہ لندن میں ورلڈ اسلامک فورم کے حوالے سے نئے عزائم کے ساتھ پوری دنیا میں اسلامی تعلیمات اور قرآن و سنت کے پیغام کی اشاعت کے متمنی ہیں اس سلسلہ میں ان کی مساعی بار آور بھی ہیں اور حوصلہ افزا بھی، فورم کے بنیادی مقاصد میں مغربی میڈیا کی اسلام دشمن مہم کے تعاقب اور عالم اسلام کی دینی تحریکات کے درمیان رابطہ و تعاون کی مساعی کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کے معاشرتی و تعلیمی مسائل میں ان کی راہنمائی بھی ان کا بنیادی ہدف ہے پیش نظر کتاب اسی سلسلۂ مبارک کی ایک کڑی ہے جس میں ان کی قلم سے دو مضامین اور چھ تقاریر شامل ہیں جن میں مذکورہ مسائل ہی کے حوالے سے حالات کا تجزیہ کیا گیا ہے ارباب ذوق کے لیے ایک علمی تحفہ ہے یقیناً قارئین اس کی قدر کریں گے ہماری دلی دعا ہے کہ مولانا راشدی مدظلہ اپنے عظیم والد کی طرح تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی وہ کام کر جائیں جو ان کی عظیم صلاحیتوں سے موجودہ حالات میں دین اسلام کو مطلوب ہے۔

ملفوظات وارشادات

تالیف: الحاج ابراہیم یوسف باوا صفحات ۱۴۴ قیمت درج نہیں۔
ناشر: E·Y·BAWA 15 STRATTON ROAD GLOUCESTER GL1-4 HD ENGLAND

حضرت مولانا الحاج ابراہیم یوسف باوا درد دل رکھنے والے بزرگ، سنجیدہ اور متین اہل قلم، کئی کتابوں کے مصنف و مولف اور دین اسلام کے سچے اور مخلص داعی ہیں "ملفوظات وارشادات" بھی فاضل مولف نے درجنوں کتابیں پڑھ کر اور ان سے اہم اقوال وارشادات اخذ کرکے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے جو شروع سے آخر تک دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی ہے اور ایمان افروز بھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حکیم الامت حضرت تھانوی رح، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رح کے ارشادات کا یہ حسین مرقع اور گلدستہ ہدایت حرز جان بنانے کے لائق ہے یقیناً قارئین اس کی بھی اسی طرح قدر کریں گے جس طرح مؤلف موصوف کی دیگر کتابوں سے استفادہ کرتے آئے ہیں کاغذ، عمدہ تزین اور طباعت شاندار، اے کاش! تمام دینی لٹریچر اس طرح کے عمدہ کاغذ پر طبع ہوتا۔

سفارش شریعت کی نظر میں

تالیف: مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم، صفحات ۳۰، قیمت ۱۸ روپے
ناشر: میمن اسلامک پبلشرز ۱۸۸/۱ لیاقت آباد۔ کراچی ۱۹

یہ ایک مختصر کتابچہ ہے، جس میں سفارش کرنے کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ چونکہ آج کوئی کام ناجائز سفارش کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اس لیے سفارش کا دروازہ چوپٹ کھلا ہے۔ اور اس میں اس بات کا بالکل لحاظ نہیں کیا جاتا کہ کونسی سفارش جائز ہے اور کونسی سفارش ناجائز ہے، اس مختصر کتابچے میں بیان کردیا گیا ہے کہ کونسی سفارش جائز ہے۔ اور کونسی جائز نہیں۔ اور سفارش کی حقیقت کیا ہے، کن کاموں کے لیے سفارش کرسکتے ہیں۔ سفارش کا مقصد کیا ہے۔ اور سفارش کے الفاظ کیا ہونے چاہیئے۔ بہر حال سفارش کے موضوع پر یہ ایک جامع رسالہ ہے۔ سفارش کرنے سے قبل اس کا مطالعہ ضرور کرلینا چاہیے۔

(بقیہ صـ۲۶ سے)

معجزے اس تقاضے کا جواب تھے۔ عیسوی عہد کے عطار و حکیم علاج امراض کے ضمن میں اپنے حیرت انگیز کمالات کے دعویدار تھے اس لئے اس کا جواب دم عیسوی تھا جو اندھوں اور کوڑھیوں کا معجزانہ علاج کرتا تھا' احیائے موتیٰ اور مٹی کے خود ساختہ پرندوں میں جان ڈالنا بھی معجزات عیسوی میں شامل تھا۔

REGD. NO. P_90
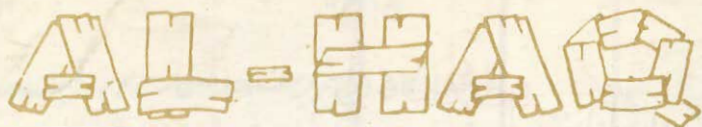
فرمانِ رسول..

حضرت علی ابنِ ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب میری اُمت میں چودہ خصلتیں پیدا ہوں تو اس پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی"
"دریافت کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنالیا جائے۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہونے لگے۔
- شوہر بیوی کا مطیع ہو جائے
- بیٹا ماں کا نافرمان بن جائے۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔
- مساجد میں شور مچایا جائے۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔
- نشہ آور اشیاء کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔
- مرد ابریشم پہنیں۔
- آلات موسیقی کو اختیار کیا جائے
- رقص و سرود کی محفلیں سجائی جائیں
- اس وقت کے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں۔

تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر وہ ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحابِ سبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی۔ باب علامات الساعۃ)